



# بوارث



سیدنا امام حسین علیہ السلام اور اپنا سیت مصطفیٰ علیہ السلام  
فاتح قدس سیدنا فاروق عظیم  
بابا فرید الدین مسعود رحمخ شکر حیات و تعلیمات



اگر آپ ہمارے پیغامِ محبت سے اتفاق کرتے ہیں تو آئیے اس پیغام کو عام کرنے کیلئے ہمارے ساتھ چلیں۔  
سالانہ خریداری میں اضافہ کر کے اپنی مصنوعات کے اشتہار دے کر یا تحریر سے مجلہ

## سوزوگداز

کے ذریعہ پیغامِ محبت کو عام کریں۔

### برائے رابطہ

- فقیر مراد شاہ وارثی (راشد عزیز وارثی) آستانہ عالیہ وارثیہ چھپر شریف (پاکستان) 0346-5849707
- علام حافظ محمد شاہ وارث وارثی دارالعلوم قادریہ چشتیہ نظامیہ داریہ 2/2، اکارہ 32، لاہور 0300-3767707
- میاں غلام فرید وارثی، سمن آباد، لاہور 0300-4674707
- پروفیسر ناصر علی وارثی، فیصل آباد 0334-9614796
- محمد عمران وارث وارثی، فیصل آباد 0321-7603707

[www.facebook.com/faizan e waris](http://www.facebook.com/faizan e waris)

رحم کن بر ما بحق پختن

وارثانہا جمال خویشن

من کجا تو کجا زکرت کجا اللہ اللہ نسبت شاہ و گدا

بیادِ حشم و چراغ پختن پاک ایاہا مِن آیات اللہ  
وارث ارش  
مصطفوی و مرتضوی عالم پناہ

حضرت حاجی و حافظ  
شاه سید وارث علی  
رحمۃ اللہ علیہ

دیوی شریف ضلع بارہ بنکی (لکھنو) ہندوستان



## باوارث

پیرروئی رافیقی راہ ساز تاخدا خشد ترا سوزو گداز

بابی ادارہ سوزو گداز  
رحمۃ اللہ علیہ

سالار قافلہ سوزو گداز  
رحمۃ اللہ علیہ  
المخچ فقیر عربت شاہ وارثی

انس و محبت کا نقیب

لاہور  
سوزو گداز

شمارہ نمبر 2 (ستمبر 2021ء) جلد نمبر 19

### مجلس مشاورت

- ملامہ پیر محمد مجید صاحب
- سید بہاؤ الدین گیلانی المعروف نگاہ علی سرکار صاحب
- شہزاد دارثی صاحب
- شیخ احمد شیخ صاحب

### مجلس ادارت

- حاجی جہانگیر علی قادری صاحب
- حافظ و علام محمد ثارو وارث وارثی صاحب
- تاضی راشد عزیز وارثی صاحب
- حاجی محمد مشتاق وارثی صاحب
- محمد اکرم وارثی صاحب
- حاجی محمد انعام وارث وارثی صاحب
- حافظ محمد حیات صاحب
- پروفیسر محمد نعمان صدیقی صاحب

## ناصر علی وارثی

نائب مدیر

## غلام فرید وارثی

سرکاریشن مینیجر

## محمد عمران وارث وارثی

شمارہ ستمبر 2021ء

زیرِ تعاون فی پرچے  
**60 روپے**

دفتر

ششماہی رسالہ  
”سوزو گداز“

حافظ محمد ثارو وارث وارثی  
0346-7412282, 0300-3767707  
چک نمبر L.A/32 دیپاپور روڈ اوکاڑہ 044-2641024

سبس

حافظ ناصر علی وارثی  
بسم اللہ پارک گلی نمبر 3، مانا نوالہ، فیصل آباد 0346-6213246  
محمد عمران وارث وارثی  
0321-7603707 0/A  
واپٹ اناون نزد بائیوں فیصل آباد 0321-7603707

کمپیوٹر ڈیزائنگ — محمد عمران وارث وارثی

پبلیشرز: MIW آرٹس فیصل آباد دفتر ”سوزو گداز“ سے شائع کیا 0321-7603707



## حسن ترتیب سوزو گداز

صفحہ	تحریر	تفصیل	نمبر شمار
4	راشد عزیز وارثی المعروف مراد شاہ وارثی	نعت شریف	1
5	ضیاء القرآن	القرآن	2
6	ضیاء النبی ﷺ	الحادیث	3
7	اداریہ	مطلوب یہ ہے کہ	4
11	حافظ محمد حیات	فاتح قدس سیدنا فاروقؑ اعظم	5
15	ڈاکٹر حافظ تبلیل الرحمن	سیدنا امام حسینؑ اور اپنا بیت مصطفیٰ ﷺ	6
19	ڈاکٹر محمد شہباز احمد بٹ	حضرت بابا فرید الدین مسعود رحمۃ اللہ علیہ	7
25	انجیل برخان وارثی لکھنؤ، یوپی	قدِ انسانی	8
29	محمد سلمان وارث برق وارثی بھٹی	حیرت شاہ حیرت وارثی	9
33	کلام حضرت ابر شاہ وارثی	ساقی	10
35	پروفیسر محمد نعمان صدیقی	اسلامی فکر اور تصوف	11
43	امتیاز علی	منہب اور شعور انسانی	12
48	شیراحمد شہیر	شخصیات جنہیں بھلایا نہیں جاسکتا	13
52	میاں غلام فرید وارثی	مشیر حسین قدوالی	14
59	ناصر علی وارثی	میرا پیغام مجتبی ہے	15
64	مراد شاہ وارثی	خصوصی گذارش	16



# نعت سرورِ کونین ﷺ

یاد آتی ہیں حرمین مقدس کی فضائیں  
وہ نور کی برسات ، محبوں کی ادائیں  
یاد آتے ہیں حرمین میں بیتے ہوئے لمحے  
دل دوز مناظر ، کبھی عشق کی آہیں  
بے تاب ہے دل ، دید کو ترسی ہیں نگاہیں  
پھر آئیں مجھے طیبہ بلاوے کی صدائیں  
ہم ایسے وضعدار ہیں آقا کی شناہ میں  
نعتیں جو سرِ حشر بھی آقا کی سنائیں  
آقا جی کرم ہو کہ ہوں محتاج کرم میں  
اب حد سے بڑھی جاتی ہیں اپنوں کی جفائیں  
کچھ خوف نہیں سارا زمانہ ہو مخالف  
مجھ کو تو ہیں درکار محمد ﷺ کی پناہیں  
مل جائیں جو راشد مجھے نعلین مقدس  
چوم کے دوستو! زینت اسے ہم سر کی بنائیں

راشد عزیز وارثی المعروف مراد شاہ وارثی

(سنگھوتی۔ ۲۳ جون ۲۰۲۱ء)



## ضیاء القرآن

## ۶۲

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ طُرْحِبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ لَا فَلَيْسَتْ جِبُوْلِي وَلُيُّوْ  
مِنْوَابِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝ (البقرة: ۱۸۶)

اور جب پوچھیں آپ سے (اے میرے حبیب) میرے بندے میرے متعلق؛ تو (انہیں بتاؤ) میں (ان کے) بالکل نزدیک ہوں۔ قبول کرتا ہوں دعا، دعا کرنے والے کی جب وہ دعا مانگتا ہے مجھ سے۔ بس انہیں چاہیے کہ میرے حکم مانیں اور ایمان لائیں مجھ پر تاکہ وہ کہیں ہدایت پاجائیں۔

## تفسیر

”کتنی پیاری آیت ہے۔ ہجوم بلا میں، طوفان مصائب میں، گرداب ہلاکت میں گھرے ہوئے شکستہ دل اور پریشان انسان کے لیے ان چند لفظوں میں اطمینان و سکون کا کیا روح پروردی پیغام ہے۔ آپ غور فرمائیے۔ ”إِنِّي قَرِيبٌ“ کے دلفظوں میں راحت و اطمینان کی ایک دُنیا سمیٹ کر رکھ دی گئی ہے۔ کسی فصل بہار کی نسیم سحر میں، کسی ابر نیساں کے حیات بخش قطروں میں وہ اثر کہاں جواہر ان دلفظوں میں ہے! دکھ در کامارا جب یہ سنتا ہے کہ میرا مالک: میرا خالق مجھ سے الگ تھلگ کہیں دُور نہیں کہ اسے میرے حال کا علم نہ ہو۔ رنج والم کی خبر نہ ہو بلکہ وہ قریب ہے، بالکل قریب، نزدیک ہے رگ جاں سے بھی زیادہ نزدیک، تو اسے کتنا قرار آ جاتا ہے۔ تمہاری زبان پر آئی ہوئی بات تو کیا تمہارے دل میں منہ چھپائے ہوئے اسرار جو قوتِ گویاً کو اپنا چہرہ دکھانے سے شرماتے ہیں۔ افکار اور اندیشوں کے وہ نازک ولطیف آنکھیں جو ہوائی صوتی لہروں کو بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ ان سب کو وہ جانتا ہے۔ وہ قادر بھی ہے رحمٰن و رحیم بھی، تم دستِ دعا دراز تو کرو۔ تم دامنِ طلب پھیلا کر تو دیکھو۔ تم دل کے ہاتھوں سے اُس کے درِ رحمت پر دستک تو دو، وہ سنے گا تمہاری فریاد۔ وہ قبول کرے گا تمہاری دعا۔ وہ بدل دے گا تمہاری بگڑی ہوئی قسمت۔ لیکن جب وہ کرم فرمائے تو سرکش نہ بن جانا۔ اسی طرح سرنياز اس کے درِ اقدس پر جھکائے رکھنا۔“

(ضیاء القرآن، جلد اول، ص ۱۲۶)



ضياء النبی ﷺ

## سلام دینے کی فضیلت



ارشاد ربانی ہے:

وَإِذَا حَسِّيْتُم بِتَحْيَيَةٍ فَحَيُوا بِاْحُسَنَ مِنْهَا اُورُدُوهَا (سورة النساء: ٨٦)

”اور جب سلام دیا جائے تمہیں کسی لفظ سے تو سلام و تم ایسے لفظ سے جو بہتر ہوا سے یا کم از کم دھرا دو وہی لفظ۔“  
سرکار دو عالم ﷺ نے ایک دوسرے کو سلام دینے کی فضیلت اس طرح بیان فرمائی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مردی ہے کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ سے عرض کیا اسلام کی کون سی چیز سب سے بہتر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ کہ تم کھانا کھلاؤ مسکینوں کو اور سلام کرو ہر شخص کو خواہ تم اس کو جانتے ہو یا نہیں۔  
(بخاری، مسلم)

حضرت ابی عمارہ البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں سات کام کرنے کا حکم دیا ہے:  
1- مریض کی بیمار پر سی کرنا، 2- جنائز کے ساتھ جانا، 3- چینکنے والے کو یہ مک اللہ سے دعا دینا، 4- کمزور کی مدد کرنا،  
5- مظلوم سے تعاون کرنا، 6- سلام کو پھیلانا یعنی ہر شخص کو سلام دینا، 7- قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرنا۔ (بخاری، مسلم)  
رحمتِ دو عالم ﷺ نے باہمی جذبات کو فتح کرنے کے لیے ایک نسخہ کیماں ارشاد فرمایا: آپ بھی سنئے اور اس پر عمل کر کے اس کی برکتوں سے مالا مال ہو جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مردی ہے کہ حضور پُر نور ﷺ نے فرمایا:

تم جنت میں داخل نہیں ہوں گے جب تک تم ایمان نہ لا اور تم مونیں نہیں ہو سکتے جب تک تم ایک دوسرے سے محبت نہ کرنے لگو، فرمایا اپنے درمیان سلام کو پھیلایا کرو یعنی یہ کہ ہر کسی کو السلام علیکم کہا کرو۔ (مسلم)

ایک دوسرے کو سلام کہنے کی برکات کا اس حدیث شریف میں مشاہدہ فرمائیے:

حضرت ابو یوسف عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مردی ہے کہ میں نے حضور کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنائے: اے لوگو! سلام کو عام کرو۔ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ صدر جی اختیار کرو اور نماز پڑھو جبکہ لوگ سور ہے ہوں۔ تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ (ضياء النبی، ج: ۵، ص: ۵۰۹-۵۱۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مطلوب ہے کہ ..... (اداریہ)



کچھ احباب نے سوال کیا کہ احرام پوش فقیر کو فوقيت حاصل ہے یا دنیاداری اور انتظامی معاملات کے ذمہ دار ٹرست کو؟

اگر سوچا جائے تو بنیادی طور پر ایسا سوال ہی درست نہیں۔ یا تو سوال کرنے والے کے ذہن میں یہ شرارت پہاں ہے کہ اس سوال کے جواب کو ممتاز عیناً کر دنوں گروہوں کو آپس میں لڑا دیا جائے۔ ان میں اختلاف پیدا ہوا رہ جا جدرا ہو جائیں۔ اور سارا نظام درصم برصم ہو جائے۔ یا پھر یہ کہ سوال کرنے والا فقرہ اور ٹرست کو سمجھہ ہی نہیں سکا کہ ان کے فرق سے آشنا ہو، ان کی ذمہ داریوں کو جانتا ہو، ان کے مقام سے آگاہ ہو اور ایسا سوال ہی نہ کرے۔

بات دراصل یہ ہے کہ اسلام کوئی مذہب یا فرقہ یا گروہ نہیں جو مخصوص لوگوں کے لئے محدود تعلیم کا حامل ہو بلکہ اسے اللہ کریم نے ایک کامل و اکمل دین قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

**الْيَوْمَ أُكِمَ لُّكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتَمَّتْ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا۔** (ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔ اور تمہارے لئے اسلام کو (بطور) دین (یعنی مکمل نظام حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا۔ سورۃ المائدہ: ۳) اور پھر دین بھی کون سا؟ دین فطرت۔ وہ دین کہ جو فطرت کے عین مطابق ہے۔ کوئی بھی غیر فطری کام نہیں کرتا۔ اب فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ بہتر سے بہتر کار کر دگی کے لئے تمام امور اور شعبہ جات کو مختلف ایسے افراد میں تقسیم کر دیا جائے کہ جو ان امور کی انجام دہی کی بہترین صلاحیتیں رکھتے ہیں۔ تاکہ وہ سب امور میں انجمنے کی بجائے اپنے اپنے حصے کے کام مجھی سے کریں اور انہیں اچھے انداز سے پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں۔

اب اس بنیادی فلسفہ اور اپس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے موضوع سخن ”فقیر اور ٹرست“ کی طرف



آئیں۔ دونوں کے الگ الگ کام اور ذمہ داریاں ہیں۔ فقیر کی ذمہ داری روحانی امور کی انجام دہی ہے جبکہ ٹریشی کے ذمہ دنیاوی انتظامی امور کی انجام دہی ہے۔ سرکار و ارث عالم نواز قدس سرہ العزیز نے فقراء کو دنیاوی معاملات میں شرکت اور انتظامی امور کی انجام دہی سے منع فرمایا ہے۔ اب اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ فقراء دنیاوی یا انتظامی صلاحیتوں سے عاری ہوتے ہیں۔ بلکہ اس ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ اگر فقراء دنیاوی اور انتظامی امور میں الجھ گئے تو روحانی امور بطریقِ احسن سرانجام نہیں دے سکیں گے۔ لہذا وہ دنیاوی اور انتظامی امور سے بے فکر اور لا تعلق ہو کر خالصتاً دین اسلام کی ترویج و اشاعت اور روحانیت کے فروع کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں وقف کر دیں۔ تاکہ وہ ان فرائض منصبی سے صحیح معنوں میں عہدہ برآ سکیں۔

☆ جو دنیا کے انتظام میں پھنستا ہے اس کے دل میں محبتِ الٰہی کی جگہ نہیں رہتی۔

☆ دنیا فساد کا گھر ہے، اہل دنیا خدا سے دور رہتے ہیں۔

☆ چوہلے چکی کا خیال مردانِ خدا نہیں کرتے۔

☆ فقیر کی شان یہ ہے کہ وہ آزادا اور بے غرض رہے۔

☆ زن، زر اور ز میں میں جھگڑا ہے ان کو چھوڑے تو آزاد ہے۔

☆ فقیر کو چاہئے کہ جور و بچوں کی محبت میں نہ پھنسے۔

☆ دنیا کا مال و اسباب جمع کرنا فقیر کے لئے حرام ہے۔

☆ فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔

اب ہم فقراء کی تعیناتی یا تقری کی طرف آتے ہیں۔ آغاز ہم امام الانبیاء خاتم المرسلین ﷺ کی ذات اقدس سے کرتے ہیں جنہوں نے الجزر فخری فرمائی اور فقیری کو اپنا فخر قرار دیا۔ نیز آپؐ یہ دعا فرمایا کرتے: اے میرے اللہ! مجھے فقیری کی حالت میں زندہ رکھ، فقیری کی حالت میں موت دے اور فقراء کے زمرے میں ہی میرا حشر فرم۔ حضور رسول رکونین ﷺ بطور رسول اور نبی تعیناتی اور تقری اللہ عز و جل نے بذات خود فرمائی۔

ہوتا تو سب کچھ بحکمِ خداوندی ہی ہے لیکن دنیا میں ایک سسٹم کو چلانے کے لئے اللہ کریم نے اس نظام کو بندوں کے سپرد فرمادیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد اس نظام کو چلانے کے لئے تھوڑے بہت اشارے تو دے دیئے لیکن انتخاب کی ذمہ داری امت کے صاحب الرائے افراد پہ چھوڑ دی کہ باہمی مشاورت سے جانشینی کی بجائے

بہتر سے بہتر بندے کا انتخاب عمل میں لایا جائے۔

خلافے راشدین کی تعیناتی صاحب الرائے افراد کی مشاورت سے طے پاتی رہی۔ اس دور کے بعد جب خلافت ملوکیت میں بدل گئی تو پھر مشاورت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اور خلافت برائے نام رہ گئی۔ اور خاندانی جائشی نظام نے جنم لے لیا۔ جس کی بنیاد تقویٰ کی بجائے حسب نسب پہ منتقل ہو گئی۔ خلافتِ راشدہ کے بعد تقویٰ والہیت کی بنیاد پر خلافت و جائشی کی روایت کو اولیائے کرام اور صوفیائے عظام نے اپنے ہاں زندہ کیا۔

سلسلہ وارثیہ چونکہ فقر کا سلسلہ ہے۔ فقیر ب کا عاشق ہوتا ہے اور عشق میں خلافت و جائشی نہیں ہوتی لہذا سرکار حضور عالم پناہ سیدنا حاجی وارث علی شاہ قدس سرہ العزیز نے اپنے ہاں خلافت و جائشی کی ممانعت فرمادی اور اس کی بجائے فقط اور فقط اہل افراد کو احرام سے سرفراز فرمادیں اسلام اور مخلوق خدا کی خدمت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرنے کا حکم فرمایا۔

سرکار وارث پاک<sup>۲</sup> کے وصال کے بعد چونکہ سلسلہ کا کام تو جاری رہنا تھا لہذا آپ کی تعلیمات و ارشادات کی روشنی میں روحانی اور دنیاوی دونوں پہلوؤں سے سلسلہ کے استحکام کی خاطر باہمی مشاورت سے دنیاوی کاموں کو چلانے کے لئے ٹرست کی تشکیل عمل میں آئی اور روحانی امور کی انجام دہی کے لئے حلقہ فقراء وارثیہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ٹرست دنیاوی امور میں اور فقراء روحانی امور میں آزاد اور خود مختار ہیں۔ دونوں نظام کو بطریق احسن چلانے کے لئے ایک دوسرے کو رائے مشورہ تو دیتے ہیں اور ایک دوسرے سے بھر پور تعاون بھی کرتے ہیں لیکن ایک دوسرے کے کام میں غیر ضروری مداخلت نہیں کرتے۔

حضور عزت مآب قبلہ عالم الحاج فقیر عزت شاہ وارثی<sup>۳</sup> نے آستانہ عالیہ وارثیہ چھپر شریف کا انتظام و انصرام چلانے کے لئے دیوبہ شریف کی طرز پاک ٹرست بنا کر تمام انتظام اس کے سپرد فرمادیا۔ اور اپنے تمام تراختیارات ٹرست کے سپرد فرمادیئے۔ اس ٹرست کے قیام کا مقصد سلسلہ اور آستانہ کو باہمی انتشار اور لڑائی جنگلے سے بچانا اور نظام کو صحیح طریقہ سے چلانا تھا۔ ٹرست کثرت رائے سے جو بھی فیصلہ کرے وہ سب کو قابل قبول ہونا چاہئے۔

جیسے پہلے حضور قبلہ عزت شاہ صاحب جو فیصلہ فرماتے وہ سب کے لئے قابل قبول ہوتا تھا۔ اسی طرح اب ان کے بنائے ہوئے ٹرست کا فیصلہ بھی سب کے لئے قابل قبول ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہ ٹرست کا نہیں بلکہ درحقیقت حضور قبلہ عزت شاہ صاحب کا فیصلہ ہے۔ اب یہ ٹرست پھر مخصر ہے کہ وہ درست فیصلہ کرے یا غلط۔ اگر درست فیصلہ

کرے گا تو اس کے ساتھ ساتھ سر کار کا نام بھی روشن ہو گا اور اگر غلط فیصلے کئے جائیں گے تو ان کے ساتھ ساتھ سر کار کی بھی بدنامی ہو گی۔

کون نہیں جانتا کہ دین دنیا پہ اور روحانیت مادیت پہ ہمیشہ سے مقدم رہی ہے اور تا قیام قیامت مقدم رہے گی۔ لیکن ایک دوسرے کا مقابلہ کر اکار اس برتری کو ایشو بنا کر باہمی منافرت اور لڑائی جھگڑوں کو ہوا دینا انسانیت نہیں بلکہ شیطانیت اور منافقت کا شعار ہے۔

مثال کے طور پر عشق اور عقل کا مقابلہ ازل سے چلا آ رہا ہے۔ کوئی عشق کو برتر کہتا ہے تو کوئی عقل کو ترجیح دیتا ہے۔ یہ سب اپنے اپنے ذوق اور مزاج کی بات ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ اہم ہیں۔ اللہ عزوجل نے دونوں کو با مقصد تخلیق فرمایا۔ دونوں کی تعریف فرمائی۔ کسی کا ضمیر اسے فہم و فراست اور عقل و شعور کی وادی میں لے جاتا ہے اور کسی کا خمیر اسے عشق کے مج میں جلا کے مقامِ فنا تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ تو اپنی اپنی لگن ہے کہ وہ کس راہ کا انتخاب کرتا ہے۔ یا پھر قسمت کسے کہاں لے جاتی ہے۔

لیکن اصل چیز یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی نہ غلط ہے اور نہ ہی فضول و بے مقصد۔ دونوں کا اپنا اپنا مقام و مرتبہ ہے۔ اور بندہ مومن کو یہ سکھایا گیا ہے کہ وہ دونوں کو سمجھے اور دونوں سے کام لے۔ عشق کے گھوڑے کو عقل کی لگام سے کنٹروں کرے اور عقل کی وادیوں میں بھٹکنے سے بچنے کے لئے عشق کو اپنا امام اور رہبر درہ نما بنائے۔ بجائے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور کم تر ثابت کرنے کے چاہئے یہ کہ اپنے اپنے مقام اور فرمہ داریوں کو پیچانا اور نجھایا جائے اور اپنے اپنے حصے کا کام کیا جائے۔ تنقید برائے تنقید کی بجائے اصلاح اور فلاح کی طرف قدم بڑھائے جائیں۔ ہر کسی کو عزت، ادب، احترام، شفقت اور محبت کے پھول پیش کئے جائیں۔ سب مل جل کر سر کار وارث پاک کے عظیم مشن کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔ تب مالک کی رضا اور منزل مقصود حاصل ہو گی۔ و ما علينا الا البلاغ المبين۔

فقط

خاکِ در جبیب ﷺ

فقیر مراد شاہ وارثی (راشد عزیز وارثی)

آستانہ عالیہ وارثیہ چھپر شریف (پاکستان)



# فاتح قدس سیدنا فاروق اعظم رضا

(حافظ محمد حیات۔ پی انج ڈی سکالر، لاہور گیریشن یونیورسٹی لاہور)

اسلامی تاریخ کی اولوالعزم عبقری شخصیت آپ ﷺ کے انتہائی قربی رفیق، خلافت اسلامیہ کے تاجدارِ ثانی، قیصر و کسری کے فاتح، حضرت سیدنا فاروق اعظم کا نام عمر بن خطاب، کنیت ابو حفص اور نسب نویں (ویں) پشت میں حضور ﷺ سے ملتا ہے۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم کی ولادت واقعہ فیل سے ۱۳ برس بعد ہوئی اور نبوت کے چھٹے سال ۳۲ برس کی عمر میں اسلام لائے۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم کا رنگ سفید مائل بہ سرخی، رخساروں پر گوشت کم، قد مبارک دراز تھا۔

آپ کی صاحبزادی حضرت حصہ جناب رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ دور خلافت میں حضورؐ کی نواسی اور حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثوم سے آپ کا نکاح ہوا جن سے زید بن عمُر اور رقیہ بنت عمُر پیدا ہوئے۔ مکہ میں سات سال، دور مدینہ میں دس سال آپ ہر وقت آنحضرت ﷺ کے قریب رہے، ستائیں غزوہات نبوی میں کسی موقع پر غیر حاضر نہ ہوئے۔ خانہ کعبہ میں سب سے پہلے اسلام کا نام آپ ہی نے بلند کیا۔

## حضرت عمر کا عشق رسول ﷺ

حضرت عمرؓ کی نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت کی ایک ادنیٰ سی جھلک یہ بھی دیکھئے کہ اپنی اس بہادری کے باوجود حضور ﷺ کی وصال کی حالت کا تخلی نہ فرماسکے۔ سخت جیرانی و پریشانی کے عالم میں تلوار لے کر کھڑے ہو گئے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت ﷺ کا انقال ہو گیا ہے تو اس کی گردن اڑا دوں گا اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا۔ جو حضور ﷺ کے انقال کی جھوٹی خبر اڑا رہے ہیں۔ جب صدیق اکبر نے اس وقت نہایت ہی استقلال کا ثبوت دیتے ہوئے بات واضح فرمائی تو حضرت عمر لرز گئے اور آنکھوں میں آنسو بھرا لائے اور آپ کی الیٰ حالت ہو گئی جیسے بے ہوشی کی حالت ہوتی ہے اور فرمایا:

نعم سری طیف من اهوی فارقني والحب يعترض اللذات بالام

ہاں مجھے محبوب کا آیا خیال آنکھیں ہیں تر عشق لذت پرالم کا ڈال دیتا ہے اثر

### فتح بیت المقدس کا واقعہ

حضرت عمر بن عاص نے جب بیت المقدس کا محاصرہ کیا تو علمائے نصاریٰ نے کہا کہ تم لوگ بے فائدہ تکلیف اٹھاتے ہو تم بیت المقدس کو فتح نہیں کر سکتے۔ فاتح بیت المقدس کا حلیہ، اس کی علامات ہمارے یہاں لکھی ہوئی ہیں۔ اگر تمہارے امام میں وہ سب باقی موجود ہیں تو بغیر لڑائی کے ہم بیت المقدس ان کے حوالے کر دیں گے۔ اس واقعہ کی خبر حضرت سیدنا فاروق اعظم کو دی گئی اور آپ بیت المقدس تشریف لے گئے۔ یہ واقعہ تاریخ عالم میں ہمیشہ زریں حروف میں چکلتا رہے گا کہ حضرت سیدنا فاروق اعظم کا زادراہ اس سفر میں جواہر چھوارے کے سوا کچھ نہ تھا۔ ایک اونٹ آپ کے پاس تھا جس پر آپ اور آپ کا غلام باری باری سوار ہوتے تھے۔

آپ کے کرتے میں پیوند لگے ہوئے تھے مسلمان جب آپ کی پیشوائی کو آئے اور آپ کو اس حال میں دیکھا تو سب نے اصرار کر کے آپ کو عده لباس پہنایا اور ایک گھوڑے پر سوار کیا، چند قدم چلنے کے بعد آپ نے فرمایا میرے نفس پر اس کا براثر پڑتا ہے، پھر وہی پیوند لگا ہوا کرتا پہن لیا اور گھوڑے سے اتر پڑے۔ رومیوں نے اس عرب و جنم کے فرمانرواء، روحانی بادشاہ کو دیکھا تو کہا کہ بے شک فاتح بیت المقدس یہی ہے اور دروازہ آپ کے لیے کھول دیا۔

### حضرت عمر فاروقؓ کا مثالی دور خلافت

خلیفہ راشد حضرت فاروق اعظم کا دور سادہ نفسی، عاجزی اور فروتنی کا زندہ جاوید نمونہ تھا۔ آپ کا مرکز مسجد نبوی تھا۔ یہیں سے قیصر و کسری کے زیر وزبر کرنے اور دنیا بھر میں اسلام کا پیغام پہنچانے کے فیصلے صادر فرماتے تھے۔ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ ہجری کو آپ نے منصب خلافت سنبھالا جس کمال قوت اور حسن سیاست سے آپ نے خلافت کی منصب کو روشن بخشی اس کی نظیر نہیں ملتی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور میں دوسال تک آپ نے بطور مشیر اور خصوصی وزیر کام کیا، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے وفات کے وقت رائے عامہ اور اسلام کی تعمیر و ترقی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے جب آپ کو خلیفہ نامزد کیا تو آپ اس اعتماد پر پورے اترے اور خلافت کا منصب سنبھالنے کے بعد دس سال چھ ماہ بارہ دن تک ۲۲ لاکھ مرلع میل پر اسلام کا پرچم لہرا یا۔

حضرت عمر بن عاص مصر میں گورنر تھے۔ وہاں ایک آدمی کو گورنر کے بیٹے نے گرفتار کر کے اس کی پشت پر کوڑے لگائے، اس بدھونے حضرت فاروق اعظم کو شکایت کی حضرت فاروق اعظم ہر سال مدینہ سے مکہ آتے وہاں کھلی پچھری لگاتے لوگ اس کچھری میں سوال و جواب اور شکایت لے کر آتے۔ اس بدھونے آ کر کہا کہ گورنر مصر کے لڑکے نے میری پشت پر کوڑے مارے ہیں حضرت فاروق اعظم نے اس وقت حضرت محمد بن مسلمہؓ کو بھیجا کہ گورنر مصر اور اس کے بیٹے کو گرفتار کر کے پیش کرو۔ باپ، بیٹا اس عدالت میں پیش ہوئے۔ حضرت فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ ”متى تعابدتكم وامهتمم احرار“ تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنار کھا ہے جبکہ ان کی ماوں نے انہیں آزاد پیدا کیا۔ پھر اس بدھو سے کہا کہ اب تم گورنر کے بیٹے کی پشت پر کوڑے لگاؤ۔

### حضرت فاروق اعظمؓ کی اہم فتوحات

حضرت فاروق اعظمؓ چالیسویں نمبر پر آنحضرت ﷺ کے حلقة ارادات میں شامل ہوئے۔ آپؐ کی بہادری اور ناموری پہلے سے عرب میں مشہور تھی لیکن جب آپؐ اسلام کے خلعت سے آراستہ ہوئے آنحضرت ﷺ سمیت تمام مسلمان بہت خوش ہوئے۔

☆ ۱۴، ہجری میں دمشق، بصرہ وغیرہ کے علاقے فتح کیے، اسی سال آپؐ نے پوری امت کو تراویح کی نماز پر جمع کیا۔

☆ ۱۵، ہجری میں اصواز، مدائن اور ایران کے کئی علاقوں پر اسلام کا پرچم لہرا�ا، اسی سال عراق اسلامی حکومت میں شامل ہوا۔

☆ ۱۶، ہجری کے اوآخر میں تکریت، انطا کیہ، حلب کی فتوحات کے بعد بغیر جنگ کے بیت المقدس فتح ہوا، اسی سال حضرت علی المرتضیؑ کے مشورے سے سن ہجری کا آغاز کیا۔

☆ آپؐ کے دور میں ۹۰۰ جامع مساجد اور ۳۰۰۰۰ عالم مساجد تعمیر ہوئی۔

مراد بنی ﷺ

آخر الزماں نبی ﷺ سے غلافِ کعبہ کے سامنے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور ہاتھ اٹھا کر کہتے ہیں کہ اے اللہ اگر اسلام کو دولت کی ضرورت ہے تو اسلام کو عمر بن ہشام عطا کر اگر اسلام کو غیرت کی ضرورت ہے تو اسلام کو عمر بن خطاب عطا کر۔ ”لَهُمَّ اعْزِ الْإِسْلَامَ بِعِزِّ ابْنِ خَطَّابٍ“ اے اللہ اسلام کو عمر بن خطاب کے ذریعے عزت بخش۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دعا قبول فرمائی اور اگلے ہی دن خدا نے عمر بن خطابؓ کو آپؐ کی



جھولی میں ڈال دیا۔ اس دعا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اسلام کو ضرورت پڑے گی غیرت کی پڑے گی نہ کہ کسی دولت مند کی دولت کی۔

احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں

☆ عمرؓ کی زبان پر خدا نے حق جاری فرمادیا۔ (بیہقی)

☆ میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتا۔ (ترمذی)

☆ جس راستے سے عمرؓ گزرتا ہے شیطان وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

☆ میرے بعد ابو بکرؓ و عمرؓ کی اقتداء کرنا۔ (مشکلاۃ)

### شہادت

آپؐ کی بے مثال فتوحات سے اہل باطل گھبرا گئے تھے چنانچہ ایک ایرانی فیروز ابو لولو مجوسی معلوم کے حملے سے کیم محروم الحرام ۲۳ ہجری میں مدینہ منورہ میں آپؐ نے جام شہادت نوش فرمایا اور آپؐ کی تدبیفِ آنحضرت ﷺ کے روضہ اقدس میں ہوئی۔



**شخصیت میں عاجزی نہ ہو تو  
معلومات میں اضافہ علم کو نہیں  
بلکہ تکبر کو جنم دیتا ہے**

# سیدنا امام حسین علیہ السلام اور اپناستیتِ مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

(تحریر: ڈاکٹر حافظ تہلیل الرحمن)

انسانی تاریخ میں بے شمار لوگ گزرے ہیں جنہوں نے انسانیت کی بقا اور فلاح کے لیے کام کیا ان کے نام تاریخ میں سنہری حروف میں لکھے ہوئے ہیں۔ ہر دور میں حق و باطل کا معرکہ رہا اور حق پر ہی چلنے والے کامیاب ہوئے اپنیں نامور ہستیوں میں ایک درخششہ تر نام نواسہ رسول ﷺ جگر گوشہ بتول امام عالی مقام سیدنا امام حسین علیہ السلام کا ہے جن کے بے مثال قربانی راہ حق کے مسافروں کے لیے مشعل راہ ہے گی امام عالی مقام وہ ہستی ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کی بے مثال قربت، شفقت اور محبت حاصل رہی اس کا ذکر آگے احادیث مبارکہ کی صورت میں آ رہا ہے۔

حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے نواسے اور حیدر کرا ر و خاتونِ جنت کے صاحبزادے اور سید الشہداء امام عالی مقام امام حسین علیہ السلام کی ولادت با سعادت شعبان 4 ہجری میں ہوئی اور بعض کتب میں شعبان 5 ہجری بھی لکھا ہوا ملتا ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام مبارک بھی سرکارِ دو عالم ﷺ نے رکھا اور وقت ولادت شہد بھی چٹایا اور آپ ﷺ میں زبان مبارک داخل کر کے لعاب دہن بھی عطا فرمایا کرتے تھے اور آپ کا عقیقہ اور بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کرنے کا حکم بھی دیا اور آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمۃ الزهراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کے عقیقہ کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کی۔

امام عالی مقام امام حسین علیہ السلام بھی اپنے برادر اکبر امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح رسول مکرم ﷺ کے ساتھ مشاہبہت رکھتے ہیں بلکہ یوں کہا جائے تو کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہوگی "امام حسین علیہ السلام رسول مکرم ﷺ کی تصویر تھے"۔ جب نبی مکرم ﷺ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا تو اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً چھے برس تھی لیکن چونکہ ایام پہلیں میں محبت، شفقت اور پیار نبی مکرم ﷺ سے حد رج زیادہ ملا اس لیے پردہ کے بعد خلفاء راشدین نے مکمل طور پر کریمانہ اور محبتانہ بر تاؤ آپ کے ساتھ کیا۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت

کے اختتام پر جہاد میں شرکت کا آغاز کر دیا تھا اور مختلف معروکوں میں شرکت کرتے رہے۔ جب حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دشمنوں نے سراخایا اور گھر کا گھیرا و کرنے کی کوشش کی تو شیر خدا نے اپنے دونوں صاحبزادوں کو حفاظت عثمان غنی پر مقرر کر دیا تھا۔

حضور نبی مکرم ﷺ کو اپنے دونوں نواسوں سے بے حد محبت تھی شفقت اور محبت کا یہ عالم تھا کہ دونوں نواسے بچپن میں جب نبی مکرم ﷺ نماز کی ادائیگی فرماتے تو کمر پر چڑھ جاتے اور کبھی دورانِ نماز دونوں ٹانگوں کے نقش میں سے گزرتے اور آپ ﷺ نماز میں بھی اپنے نواسوں کا خیال فرماتے جب تک وہ کمر پر چڑھتے رہتے آپ سجدہ سے سرہ انھاتے تھے، آپ ﷺ اکثر انہیں گود میں بیٹھاتے، کبھی کندھوں پر سوار کرتے اور کبھی بوسہ لیتے اور کبھی انہیں سونگھتے اور فرماتے کہ:

تم اللہ کی عطا کردہ خوبیو ہو"

حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

"اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں آپ بھی ان سے محبت فرمائیے اور جوان سے محبت کرے اس کو بھی اپنا محبوب بنالیجیئے" (ترمذی)

ایک اور جگہ پر فرمایا:

"اے اللہ میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں آپ بھی ان کو اپنا محبوب بنالیجیئے" (ترمذی)  
ان دونوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے یہ دونوں نواسے اللہ پاک کے بھی محبوب ہیں اور اللہ پاک کے رسول کے بھی محبوب ہیں اور ان دونوں سے محبت کرنے والے بھی اللہ اور اس کے رسول کے محبوب ہیں۔  
ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ ﷺ خطبہ دیر ہے تھے دونوں نواسے آگئے آپ ﷺ نے خطبہ روک کر ان دونوں کو اٹھایا اور اپنے پاس بٹھایا تو پھر خطبہ دینا شروع کر دیا۔

آخر حضرت ﷺ کو اپنے تمام اہل بیت میں حضرت حسین کریمین سے بہت زیادہ محبت تھی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ:

"اہل بیت میں مجھ کو حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ محبوب ہیں" (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"ایک مرتبہ میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ قبیقانع کے بازار سے لوٹا تو آپ ﷺ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور پوچھا بچے کہاں ہیں؟ تھوڑی ہی دیر میں بچے دوڑتے دوڑتے آئے اور رسول ﷺ سے چھت گئے آپ ﷺ نے فرمایا خدا! میں ان کو محظوظ رکھتا ہوں اس لیے تو بھی انہیں محظوظ رکھا اور ان کے محظوظ رکھنے والے کو بھی محظوظ رکھا" (ترمذی)

اللہ تبارک و تعالیٰ کا عکسِ جمیل حضور نبی مکرم ﷺ ہیں اور رسول کریم ﷺ کا عکس جناب حسن و حسین سلام اللہ علیہما ہیں۔ سرور کونین ﷺ کے دونوں شہزادے جس طرح ظاہر میں آپ ﷺ کی مشاہد منورہ کی مکمل تصور یہ تھے اُسی طرح باطن میں بھی کامل و مکمل اور پورا پورا نقشہ تھے جس طرح یہ دونوں صورۃ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یادتازہ کر دیتے تھے اسی طرح معنًا بھی آپ ﷺ ہی کے فرض کی تکمیل کرتے تھے۔

یہ انتہائے محبت ہے اس کو الفاظ میں کہاں تک بیان کیا جاسکتا ہے اپنی جان سے کون پیار نہیں کرتا، حسین کریمین رسول کریم ﷺ کے ٹکرے یہیں صورۃ و معناً آپ ﷺ کی کامل تصویر بھی ہیں، آپ ﷺ کے چمن کی بھار ہیں آپ ﷺ کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہیں چمن رسالت کے پھول ہیں اور گلی نبوت کی روح پرور خوشبو ہیں۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

"حسن و حسین میری دنیا کی زینت و آرائش ہیں" (مشکلا)

امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کو خطبہ جمعہ دیر ہے تھے پانچ چھتے سال کے دونوں شہزادے سُرخ قمیض زیبِ تن کیے جھرہ فاطمہ سے نکل کر نانا جان کی طرف قدم بڑھا رہے تھے اور راستہ کی ناہمواریوں کی وجہ اچانک گڑ پڑتے ہیں اور جیسے ہی حضور نبی مکرم ﷺ کی نظرِ محبت اور نظرِ شفقت اپنے نواسوں پر پڑتی ہے تو تڑپ گئے اور بے تاب ہو کر خطبہ پورا کیے بغیر منبر سے نیچے تشریف لے آئے اور آگے بڑھ کر دونوں شہزادوں کو آغوش میں لیا اور بٹھا کر دوبارہ خطبہ شروع کرتے ہوئے فرمایا:

"سچ فرمایا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ نے کہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں، میری طرف ہی دیکھ لو، ان بچوں کو گرتے دیکھا تو مجھ سے برداشت نہ ہو سکا اور بات پوری کیے بغیر پہلے ان کو جا کر اٹھایا" (مشکلا)

ایک مرتبہ نبی مکرم ﷺ نماز ادا فرمائے تھے اور دوران نماز حالتِ سجدہ میں پشت مبارک پر اس وقت سوار ہو گئے جب کہ نماز پڑھا رہے تھے اور آپ ﷺ اس وقت سجدہ میں پڑے رہے جب تک حسین پشت مبارک سے خود نہ اتر



آئے پھر جب نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرام نے عرض کیا! یا رسول اللہ ﷺ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان۔ "کیا اب سجدوں کو طویل کرنے کا حکم آگیا ہے یا آپ پر اُس وقت وحی نازل ہو رہی تھی جو آپ نے اس قدر طویل سجدہ فرمایا؟ تو سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ایسی کوئی وجہ نہ تھی بلکہ یہ وجہ تھی کہ میرا بیٹا میرے اور پر سوار ہو گیا تھا مجھے اس بات میں کراہت نظر آئی کہ میں جلدی اٹھوں اور یہ گرجائے حتیٰ کہ یہ اپنی مرضی سے اُتر آیا" (المستدرک) یہ ہے اپنا نیت حسین، محبت حسین، مقام حسین بارگاہِ مصطفیٰ اور زگاہ رسول ﷺ میں کڑوڑوں سلام ہوں اس جگر گوشہ بتول پر جس کے لیے تاجدارِ کائنات نے خطبہ چھوڑ کر منبر سے اُتر آئے۔ اربوں درود ہوں اس حیدر کرار کے دلپند کو جو تاجدار انبیاء ﷺ کی پشت مبارکہ پر سوار ہو جائے تو اس وقت تک سجدہ سے سرناہ اٹھائیں جب تک وہ خود نہ اُتر جائیں۔

خاصہ ربِ دا ور پہ لاکھوں سلام

نورِ علیٰ پیغمبر پہ لاکھوں سلام

تشنہ آب خنجر پہ لاکھوں سلام

مالک نہر کوثر پہ لاکھوں سلام

اس حسین ابن حیدر پہ لاکھوں سلام

اس شہیدِ دلاور پہ لاکھوں سلام

امام حسین علیہ السلام 10 محرم الحرام 61 ہجری کو شہید ہوئے اور وقت شہادت عمر تقریباً 55 برس تھی۔

امام عالی مقام کا مشن ابھی ختم نہیں ہوا وہ معز کہ ابھی تک جاری و ساری ہے راستے دونوں واضح ہیں کہ کون سارا ستہ حق اور سچ کا ہے اور کون سا باطل اور جھوٹ کا ہے آج بھی یزدیت اپنے پورے جو بن کے ساتھ معاشرے میں اپنے پنج گھاڑے ہوئے ہے اور اس کی روک تھام کے لیے ہمیں اپنا کردار ادا کرنا ہے ہمیں صرف نام کے ساتھ ہی نہیں بلکہ علمی طور پر قافلہ حسین کا علم تھامنا ہے اور بر سر پیکار ہونا ہے اور اللہ پاک کے کرم اور حضور نبی مکرم ﷺ کی عنایت سے یہ نام ہمیشہ کے لیے اہل اسلام کے لیے باعث برکت اور زندہ وجاوید رہیگا۔

.....☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆.....



شیخ الاسلام والمسیمین زہد الانبیا حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

## حیات و تعلیمات

(ڈاکٹر محمد شہباز احمد بٹ)

بر صغیر پاک و ہند میں اسلام کی ترویج و اشاعت میں صوفیا کرام اور اولیا اکرام کا اہم کردار ہے۔ سلسلہ چشتیہ کے عظیم روحانی پیشو احضور شیخ الاسلام والمسیمین خواجہ خواجگاہ، قطب الاقطاب، زہد الانبیا حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کاشمار بھی انہیں اکابر اولیا میں ہوتا ہے۔ آپ کے وجود مسعودی برکت سے لوگوں کو ایمان کی حلاوت نصیب ہوئی اور بہت سارے لوگ واصل بحق ہوئے۔

سلسلہ نسب:

حضرت بابا فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ نبأ فاروقی ہیں آپ کا سلسلہ نسب خلیفہ ثانی سیدنا امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے۔ آپ کے آبا و اجداد افغانستان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے جد داعلی فرخ شاہ کابل کے بادشاہ تھے۔ بابا فرید الدین کے پردادا شیخ احمد تاتاریوں کے حملے میں شہید ہو گئے تو ان کے صاحب زادے قاضی شعیب کابل سے ہجرت کر کے لاہور تشریف لائے اور پھر ملتان کے علاقے کوئنی وال (کوٹھی وال) میں قاضی مقرر ہوئے اور آپ کا خاندان تھیں قیام پذیر ہو گیا۔ بابا صاحب کے والد ماجد شیخ کمال الدین سلیمان سلطان محمود غزنوی کے بھانجے اور بڑے خدار سیدہ بزرگ تھے جبکہ والدہ ماجدہ مولانا وجہیہ الدین کی صاحب زادی اور نہایت صالح، پارسا اور کامل تھیں۔ حضرت بابا فرید قدس سرہ العزیز 569 ہجری میں قصبہ کہنی وال میں پیدا ہوئے آپ کا خاندانی نام مسعود تھا پھر ایک تقریب میں شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا نام حضرت بابا صاحب کو عطا کر دیا۔ اس لیے آپ کا دوسرا نام فرید الدین ہوا۔ آپ کے بہت سے القاب ہیں جن میں بابا صاحب، شیخ الاسلام، زہد الانبیا اور گنج شکر زیادہ مشہور ہیں (اسرار عترت فریدی)۔

گنج شکر:

آپ کا یہ لقب کافی مشہور ہے اور اس کے بارے کافی روایات ہیں ان میں سے ایک مستند روایت یہ ہے کہ بابا صاحب بچپن میں ہی نماز کے عادی ہو چکے تھے آپ کی والدہ ماجدہ کی خواہش تھی کہ آپ نماز فجر کے لیے صح جلدی بیدار ہوا کریں سحرخیزی کی عادت پختہ کرنے کے لیے آپ شکر کی پڑیا مصلیٰ کے نیچے رکھ دیتیں اور فرماتیں بیٹے جو نماز فجر کے لیے جلدی اٹھے اللہ تعالیٰ اسے شکر عنایت فرماتا ہے۔ بابا صاحب صدق دل سے نماز ادا کرتے اور جب مصلیٰ اٹھاتے تو شکر مل جاتی جب کچھ بڑے ہو گئے تو والدہ نے سوچا اب جلد بیدار ہونے کی عادت پختہ ہو گئی ہے الہذا شکر رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ شکر کی پڑیا رکھنا ترک کر دی مگر اللہ تعالیٰ نے غیبی عطا کا سلسلہ جاری رکھا۔ کئی دن گزر گئے والدہ حیران تھیں کہ بیٹے نے شکر نہ ملنے کی شکایت کیوں نہیں کی ایک دن پوچھا فرید الدین شکر مل رہی ہے عرض کی کیوں نہیں بلانا غم رہی ہے۔ والدہ نے سمجھا شاید کوئی خادمہ شکر رکھ دیتی ہو مگر تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ یہ مخلوق کا نہیں خالق کا کام ہے جو میرے بچے کو اس کے حسن اعتقاد اور خلوص کی بناء پر غیب سے رزق عطا فرم رہا ہے۔

(تاریخ فرشتہ)

تعلیم و تربیت:

ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی بچپن میں ہی اکثر دینی علوم حاصل کر لیے بھر اعلیٰ تعلیم کے لیے ملتان کا رُخ کیا جو اس وقت ہندوستان بھر میں ایک بڑا علمی و روحانی مرکز تھا یہاں جیجہ علماء مشائخ سے مزید تعلیم حاصل کی مولانا منہماج الدین ترمذی سے فقہ کی کتاب نافع پڑھ رہے تھے کہ وہاں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمت اللہ علیہ کی تشریف آوری ہوئی اس نوجوان طالب علم کی جو نبی حضرت کے رخ زیبار نظر پڑی ہمیشہ کے لیے ان کے گرویدہ ہو گئے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمت اللہ علیہ جب تھیۃ المسجد پڑھ کر فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا بیٹے کیا پڑھ رہے ہو۔ بابا صاحب نے عرض کی نافع، خواجہ صاحب نے فرمایا انشاء اللہ تمہارے لیے نافع ہو گی۔ بابا صاحب نے عرض کی یہ تو آپ کی نظر کیمیا اثر ہے یہ کہا اور حضرت خواجہ کے قدموں میں گر گئے اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے سلسلہ تعلیم کو خیر باد کہہ کر آپ کے ہم رکاب ہونے کا عزم کی تو خواجہ قطب الدین نے فرمایا "پہلے علم کی تکمیل کرو پھر دہلی آکر فیض محبت سے مستفیض ہونا ظاہری علم بے حد ضروری ہے کیونکہ بے علم شیطان کا مسخرہ ہوتا ہے" بابا صاحب نے حسب ارشاد مرشد پانچ سال تک وقت کے جلیل القدر مشائخ سے بڑی محنت اور کوشش کے

ساتھ علم حاصل کرتے رہے۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ شہاب الدین عسرہ وردی، شیخ سیف الدین، شیخ بہاؤ الدین زکریا، شیخ اوحد الدین کرمانی اور شیخ فرید الدین عطار جیسے یگانہ روزگار شامل ہیں (تاریخ مشائخ چشت)

### خرقه خلافت:

حضرت بابا فرید الدین رحمت اللہ علیہ تعلیم سے فراغت کے بعد مرشد کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے اور حسب ارشاد شیخ عبادات و ریاضت اور مجاهدہ میں مشغول رہ کر روحانی نعمتوں سے مالا مال ہوئے ایک دفعہ بابا صاحب کے دادا پیر خواجہ غریب نواز اجمیر سے دہلی تشریف لائے تو خواجہ قطب الدین نے اپنے خلفاء حضرت کے سامنے پیش کیے آپ نے ہر ایک کو اس کی بساط کے مطابق نعمت عطا فرمائی اس کے بعد خواجہ اجمیری نے پوچھا کہ بابا قطب الدین تھمارے مریدین میں سے کوئی باقی تو نہیں رہ گیا آپ نے عرض کی حضور ہاں مسعودنا می فقیر چله میں پڑا ہوا ہے اور بابا صاحب کے احوال بتائے خواجہ صاحب نے فرمایا آؤ اس کو دیکھیں چنانچہ دو بزرگ وار آپ کے مجرہ مبارکہ میں تشریف لائے حضرت بابا صاحب نے فرط عقیدت و محبت سے تظیماً اٹھنا چاہا مگر کثرت ضعف کے سبب کھڑے نہ ہو سکے اور آبدیدہ ہو کر سرز میں پر رکھ دیا حضرت خواجہ اجمیری نے جب یہ حالت دیکھی تو فرمایا قطب الدین تو نے اس بے چارے کو کتنی دیر تک مجہدے کی آگ میں جلائے رکھا پھر فرمایا آؤ ہم دونوں اسے عطا کریں۔ حضرت بابا فرید الدین کے دائیں بازو سے حضرت خواجہ معین الدین اجمیری اور بائیں بازو سے حضرت قطب الدین بختیار کا کی نے پکڑ کر کھڑا کیا بھر خواجہ اجمیری آسمان کی طرف چہرہ کر کے یوں گویا ہوئے "بار الہا! فرید کو قبول فرماؤ را سے کامل ترین درویشوں کے مرتبے پر فائز کر دے" غیب سے آواز آئی فرید کو قبول کیا فرید فرد اہر اور دھید عصر ہے۔ حضرت خواجہ اجمیری نے آپ کو اسم اعظم کی تعلیم دی جس سے آنا فاناً علم لدُنی حاصل ہو گیا اور تمام جبابات اٹھ گئے۔ بعد ازاں خواجہ معین الدین نے خلعت خاص عطا فرمائی اور حضرت خواجہ قطب الدین نے دستار اور خرقہ خلافت سے نوازا۔ حضرت خواجہ معین الدین بابا صاحب کی روحانی استعداد سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنے خلیفہ اور بابا صاحب کے پیر سے فرمایا بابا بختیار تم نے ایسے عظیم شہباز کو (اپنے دام محبت) گرفتار کیا ہے جو سدرۃ المنیٰ کے سوا اور کہیں اپنا آشیانہ نہیں بنائے گا فرید ایسا چراغ ہے جو درویشوں کے خانوادہ کو منور کر دے گا۔ (اخبار الالحیار)

### علمی استعداد:

حضرت شیخ الاسلام بابا فرید الدین گنج شکر رحمت اللہ علیہ نے شریعت و تصوف کے تمام علوم بڑی محنت

سے حاصل کیے انہیں ظاہری و باطنی علوم میں مکمل دسترس حاصل تھی۔ بڑے بڑے علماء و دانشور آپ کی علمی قابلیت سے بہوت ہو کر رہ جاتے۔ شیخ بدر الدین اسحاق دہلی کے رہنے والے تھے اور علم و فضل کے اعتبار سے وہاں کے علماء میں سب سے زیادہ داشمند، ذہین اور طبیع تھے انہیں بعض ایسے اشکال تھے جسے وہاں کے بڑے بڑے علماء حل نہیں کر سکے ایک دوست کی ترغیب پر حضرت بابا صاحب کی خدمت میں اجودھن (موجودہ پاکستان) حاضر ہوئے انہوں نے دیکھا کہ ایک بادشاہ ہے جس کا سینہ مصفا اور تقریل کشا تھی جو اپنی روشن ضمیری کے باعث آنے والے حالات کو بیان کرتا تھا اور اپنی قوت بیانی اور طاقت روحانی سے دلوں کو جیت لیتا تھا۔ مولانا بدر الدین کو جو اشکال درپیش تھے۔ حضرت بابا صاحب نے علمی مباحث اور تقریروں سے وہ مسائل حل کر دیے۔ مولانا حیران رہ گئے انہوں نے دل میں خیال کیا کہ چادر اڑھے یہ سادہ بزرگ اپنے پاس کوئی کتاب نہیں رکھتے مگر علم لذتی سے تمام مسائل حل کر دیتے ہیں۔ بلاشبہ آپ کو علم کسی نہیں وہی ہے۔ جن مسائل کے حل کے لیے بخارا جانے کا ارادہ کر رہا تھا اس سے سو گناز یادہ مجھے یہیں حاصل ہو گیا انہوں نے بخارا جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور داخل سلسلہ ہو کر بابا صاحب کے ہی ہو کر رہ گئے۔ ( Rahat AlQlob )

فقر:

بابا صاحب کی زندگی ہمارے لیے مشعل راہ ہے آپ نے فقر و فاقہ کی زندگی بسر کی اور عبادت و ریاضت میں جو انہٹ نقوش ثبت کیے وہ رہتی دنیا تک یاد رکھے جائیں گے۔ کسی نے خوب کہا کہ  
دنیا میں اور کون ہے زہد الانبیا سچ پوچھیے تو شان پیغمبر فرید ہے

ریاضت و مجاہدہ، فقر اور ترک دنیا آپ کے محبوب ترین مشغله تھے آپ کشف و کرامات میں آیت اور ذوق عبادت کی درخشندہ علامت تھے خود کو لوگوں کی نظر و سے چھپائے رکھتے ایک شہر سے دوسرے شہر کوچ کرتے رہتے آخر کار اجودھن (پاکستان) تشریف لائے یہاں کے لوگ تند خصوصاً فقیروں اور درویشوں کے دشمن تھے آپ نے اس جگہ کو اپنے لیے پسند کیا شہر کے باہر کریں کے درخت تھے ان میں سے ایک گھنے درخت کے نیچے بیٹھ کر یادِ الہی میں مشغول ہو گئے۔ یہاں کی مسجد میں اکثر ویشور نماز پڑھتے اور عبادت کرتے تھے یہاں ہی آپ رحمت اللہ علیہ کے فرزند پیدا ہوئے اور یہیں آپ نے فاقہ کیے اور ریاضت کی صعبوتوں کو برداشت کرتے تھے چونکہ زبردست روحانیت کے مالک تھے اس لیے مخفی نہ رہ سکے قیام اجودھن کے ابتدائی زمانے میں عسرت اور فاقہ کا یہ عالم تھا کہ کریں کے بھل اباں لیے

جاتے تھے جسے اپنے خدام کے ساتھ مل کر تناول کرتے۔ خضرت خواجہ نظام الدین اولیا بیان کرتے ہیں جس روز کریر کے پھل سیر ہو کر کھانے کو مل جاتے وہ ہمارے لیے عید کا دن ہوتا اس تنگی اور عسرت میں بھی مشتبہ لقہمے سے مکمل اجتناب کیا۔ ایک مرتبہ خادم نے لنگر میں نمک قرض لے کر ڈال دیا لقہمہ کھانے کے لیے اٹھایا تو نور باطن سے بھانپ کر فرمایا اس میں کچھ بے اصولی معلوم ہوتی ہے میرے لیے یہ کھانا جائز نہیں (اخبار الاحیار)

**تحمل و برداشت:**

بابا فرید الدین مسعود بڑے علیم الطبع تھے اپنے مریدین و خلفاء کو حلم و برداشتی اختیار کرنے کی تلقین کرتے اور تاکید فرماتے کہ باہمی معاملات کو اس خوش اسلوبی سے نہ ملایا جائے کہ غصے اور تعصباً کا شائستہ تک نہ ہو اور بات کرتے ہوئے گردن کی رگ نہ ابھرے آپ فرمایا کرتے کہ آدمی کو جفا اور سختی برداشت کرنے کا خوگر بننا چاہیے بدله لینے سے گریز بہتر ہے۔ آپ صوفیہ کے اس مشن پر گامزن تھے کہ بدی کا بدله بھلانی سے دیا جائے اور کائنات کمکھر نے والے کو بھی دعا دی جائے۔ حضرت بابا صاحب فرمایا کرتے کہ اپنے راستے میں کائنات رکھنے والے کے راستے میں بھی کائنات بکھیرے شروع کر دو گے تو یہ دنیا کا نٹوں سے بھر جائے گی۔

**یادِ الہی:**

حضرت بابا صاحب ہم وقت یادِ الہی میں مشغول رہتے اللہ تعالیٰ نے انہیں عشق و محبت کی خاص چاشنی عطا فرمائی تھی ان پر خشیت و رفت کا بڑا غلبہ تھا مجلس میں کوئی عارفانہ کلام پڑا جاتا یا کوئی عبرت انگیز بات سننے تو بے اختیار رونا شروع کر دیتے یادِ الہی میں استغراق اور محیوت اس کیفیت کو پہنچ چکی تھی کہ دل میں تصور جانا کر سو اکسی اور خیال کی گنجائش نہیں تھی یہاں تک کہ بعض اوقات اولاد کا نام بھول جاتے محبتِ الہی کی شعلہ ریزیوں اور کیف و مستی کی سر شاریوں کے باعث آپ "حریقِ محبت" کے لقب سے ملقب ہوئے (فوانید الغواد)

**اتباع شریعت:**

بابا فرید الدین مسعود رحمت اللہ علیہ شریعت مطہرہ کے تبع تھے طریقت و تصوف کے لیے ظاہری علوم کی ترویج کو ضروری سمجھتے تھے۔ بابا فرید الدین رحمت اللہ علیہ اپنے مریدین اور خلفاء کو بھی احکام شریعہ اور فرائض کے ساتھ ساتھ نفلی عبادات پر بھی مداومت کی تلقین کرتے آپ مریدین کو حضور ﷺ خاتم النبین کی اس حدیث مبارکہ کا

صدق بنا تے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: "دنیا میں اس طرح زندگی گزار کہ گویا مسافر یا راہ رو ہے اور خود کو اصحاب قبول میں شمار کر" جب کس کو خرقہ خلافت پہناتے تو فرماتے یہ پرہیز گاری کالباس ہے اور آخرت کی خوبیاں پرہیز گاروں ہی کے لیے ہیں اور ساتھ غلیفہ کو اس بات کی تلقین کرتے: "اپنی زبان اور ہاتھ سے کسی کو ستانا، نہ کسی پر طعن و تشنیع کرنا اپنے ظاہر کو محفوظ رکھنا آنکھ اور زبان کی حفاظت کرنا اور انہیں رضاۓ الہی میں مصروف رکھنا دل حق تعالیٰ سے لگائے رکھنا ہمیشہ تسبیح و تہلیل میں مشغول رہنا اور شیطان کے وسوسوں سے دل کو بچائے رکھنا (فوائد الغواد) وصال:

5 محرم الحرام 664 ہجری بمقابلہ 17 اکتوبر 1265 کی شب آپ کو استغراق زیادہ ہو گیا نماز عشاء کے متعلق حاضرین سے پوچھا کیا میں نے نماز ادا کر لی ہے؟ لوگوں نے کہا جی ہاں بابا صاحب نے فرمایا ایک مرتبہ ادا کر لوں خدا بہتر جانتا ہے کی دوبارہ نماز پڑھنے پر قادر ہوں گا انہیں چنانچہ آپ نے دوسری مرتبہ نماز ادا کی اسی طرح آپ نے تیسرا مرتبہ نماز عشاء پڑھی اور پھر یا حی یا قیوم کا ورد کرتے ہوئے جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ آپ کی عمر مبارک 95 سال تھی۔ ولایت و معرفت کا یہ آفتاب عالم تاب غروب ہو گیا مگر دنیا کے سورج کی طرح اس پر رات نہیں کئی صدیاں گزرنے کے باوجود آج بھی اس کی روشنی میں وہی حرارت اور تیزی ہے آپ کا مزار پرانوار پاکپتن شریف میں مرجع خلاائق ہے یہاں آج بھی طالبان حق اپنی منزل کی ہدایت حاصل کرتے ہیں۔

اقوال زریں:

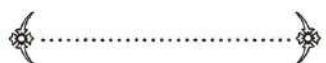
۱: انسانوں میں ذلیل ترین وہ ہے جو کھانے پینے اور پہننے میں مشغول رہے۔

۲: درویش فاقہ سے مر جاتے ہیں مگر لذت نفس کے لیے قرض نہیں لیتے۔

۳: دوسروں سے اچھائی کرتے ہوئے سوچو کہ تم اپنی ذات کے ساتھ اچھائی کر رہے ہو۔

۴: ہر شخص کی روٹی نہ کھا بلکہ ہر شخص کو اپنی روٹی کھلا۔

۵: اطمینان قلب چاہتے ہو تو حسد سے دور رہو۔





# قد رِ انسانی

خاکروب آستانہ پختن پاک علیہم السلام سر کار عالم پناہ حضور وارث پاک اعظم اللذ ذکرہ  
انجیشٹر جابر خان وارثی  
لکھنؤ: صوبہ یوپی، ہندوستان

## خلاصہ

آج کے اس پر فظن دور میں ہر طرف نفرت کی آگ جل رہی ہے کہیں سماجی تو کہیں قومی تو کہیں بین الاقوامی۔ ہم آپس میں ایک دوسرے سے حسد رکھتے ہیں اور انسانی حقوق کو بھی پامال کرنے پر آمادہ ہیں جب کہ انسان کا مقصد حیات و بنیادی اصول و انسانی خمیر محبت و انسیت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ خدا نے ہم انسانوں کو بہت محبت کے ساتھ ایک بہترین ساخت میں پیدا کیا ہے کیونکہ قرآن مجید تمام عالم کے لیے رہنمائی کرتا ہے تو اسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(”بے شک ہم نے انسان کو بہترین (اعتدال اور توازن والی) ساخت میں پیدا فرمایا ہے“) سورۃ التین آیت: ۲

## وضاحت

کیونکہ انسان کا اصل انسیت و محبت ہے اور انسان انس سے بنा ہے اللہ نے انسان کو محبت کی نظر سے دیکھا ہے اور ہم کو ایک بہترین سانچھے محبت میں ڈھالا ہے اس لیے محبت ہی انسان کی اصل بنیاد ہے اور اس لیے ہمیں بھی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ باہمی اتفاق و محبت کرنا چاہیے اور محبت کو اپنا تو شہ بنا انسانوں کا ہی شیوا اور دستورِ اعمل رہا ہے اور ہم کو چاہیے کہ ہم سب سے اللہ کے لیے ہی محبت کریں۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

نبی کریم حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(”اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو لوگ میری عزّمت اور جلال کی وجہ

سے آپس میں محبت رکھتے ہیں، قیامت کے دن انکے لیے ایسے نور  
کے ممبر ہوں گے جن پر انبیاء کرام علیہم السلام و شہداء بھی رشک کریں گے،)

جامع ترمذی، صفحہ نمبر ۲۳۹۰

حقیقت میں انسان وہی ہے جو اللہ کے لیے ایک دوسرے سے قومی و بین الاقوامی اتحاد و محبت و باہمی اتفاق قائم رکھے اور نفرت کو اپنے قلب میں جگہ نہ دے اور انسانی حقوق کو پامال نہ کرے اور انسانوں کی بے وجہ خون ریزی سے باز آئے۔ جو اللہ کے بتائے ہوئے راستے پہ چلے تو ایسے انسان پر اللہ کا کرم خاص یہ ہو گا کہ اس کو بروزِ قیامت نور کے ممبر عطا کئے جائیں گے اور ایسے انسانوں پر اس وقت ہر کسی کو رشک ہو گا، کیونکہ انسان کا خمیر ہی محبت سے ہے اور مقاصد انسانی بھی ایک دوسرے سے انسیت رکھنے کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اس لیے یہی تعلیمِ محبت ہم نے ہمارے بزرگوں سے حاصل کی ہے اور ہمارے بزرگانِ دین نے ہم کو اسی باہمی اتفاق کی طرف راغب کیا ہے اور فروعِ تعلیمِ محبت میں بڑا کردار ادا کیا ہے انہی صوفیہ کرام میں سے مشہور و معروف صوفی بزرگ حضرت حاجی و حافظ قاری سیدوارث علی شاہ صاحب عظیم اللہ ذکرہ (دیوبی شریف) نے ارشاد فرمایا:

”1- دنیا کی محبت انسان کو حیوان بنادیتی ہے اور خدا کی محبت انسان کو فرشتہ صفت کر دیتی ہے۔“

”2- فرشتوں کو محبت جزوی ملی اور انسان کو محبت کاملہ عطا ہوئی۔“

”3- محبت ہی کے سبب سے انسان اشرف الحلوقات ہوا۔“

### نتیجہ

یہ دنیا ہی کی محبت (زن، زر، زمین) ہے جسکی وجہ سے انسان بظاہر حیوانات کی طرح ہو گیا اور انسانی حقوق کو بھی پامال کرنے لگا لیکن جب ہم کو توفیق الہی نصیب ہوتی ہے اور ہم کسی صاحبِ دل کی محبت اختیار کر کے فائز المرام ہوتے ہیں تو ہم اپنی حقیقت پر نظر ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے۔

”اور ہم نے جن و انس کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔“

سورۃ الذاریات آیت نمبر ۵۶

یہی دلیل ہوئی کہ جن و انس تو صرف اللہ کی عبادت کے لیے خلق کئے گئے ہیں اور یہاں عبادت سے مراد معرفت

الہی حاصل کرنا ہے۔ اور جب معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو وہی انسان عارف ہو جاتا ہے اور اسی کو سب کی ہدایت کی بڑی زمیداری دی جاتی ہے اور ایسا کامل شخص ہم کو ہماری حقیقت سے روشناس کرانے میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے تب ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم انسان تو خدا کی محبت کی ایک ایسی نشانی و خلقت ہیں جو کہ سب سے افضل و اشرف مخلوق ہیں کیونکہ محبت ہی کے سبب سے اللہ نے انسان کو سانچہ محبت میں ڈھال کر اسے اشرف الخلوقت بنایا ہے اور اسی محبت کی وجہ سے انسان فرشتہ صفت بھی ہو جاتا ہے تو ہم انسانوں کو چاہیے کہ اپنی حقیقت پر نظر رکھے یعنی ایک دوسرے سے انسیت رکھے (انسان بن کر رہے) اور آپس میں ایک دوسرے سے بہ حیثیت نوع انسانی خدا کے لیے سماجی و قومی و بین الاقوامی و بہمی اتفاق و اتحاد قائم رکھے اور خدا کا شکر ادا کرتے رہیں کہ اس نے ہمیں اشرف الخلوقات بنایا۔

### خلاصہ نکات

- 1- اللہ نے ہم انسانوں کو محبت کی نظر سے دیکھا اور اپنی محبت خاص سے نوازا اس لیے اس نے ہم کو ایک بہترین سانچہ محبت میں ڈھالا۔
- 2- کیونکہ انسان کی اصل بنیاد ہی اُنس یعنی محبت ہے تو پھر انسانوں کا کردار بھی محبت کے پیکر میں ہونا چاہیے اور آپس میں ایک دوسرے سے اللہ کے لیے محبت رکھنا چاہیے۔
- 3- ہمیں یہ محبت کی تعلیم ہمارے اسلاف سے ملی ہے اور انہوں نے بہت بڑا کردار ادا کیا فروغ محبت کے لیے اور انہی بزرگان دین میں سے مشہور معروف صوفی بزرگ حضرت حاجی حافظ قاری سید وارث علی شاہ صاحب اعظم اللہ ذکرہ دیوی شریف ہیں جنہوں نے بلا تفریق مذہب و ملت کے سب کو محبت کا پیغام دیا اور فرمایا کہ:  
**”سناسا محبت کرو“**

تو محبت کی حقیقت سے ہم کرو شناس کرواتے ہوئے فرمایا کہ  
**”فرشتوں کو محبت جزوی ملی اور انسان کو محبت کاملہ عطا ہوئی۔“**

اور فرمایا

**”محبت ہی کے سبب سے انسان اشرف الخلوقات ہوا،“**

یہاں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہم اللہ کی محبت کی وجہ سے ہی اشرف الخلوقت ہوئے ہیں جو اس ذات بے نیاز نے ہمارے وجود میں رکھی ہے تو ہم کو بھی اپنے بزرگان دین کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے کیونکہ اسی راستے پر کامیابی و فلاح انسانی موقوف ہیں۔

3۔ بغیر کسی مرشد کامل کے حقیقت انسانی کو سمجھنا محال ہے تو ہمیں چاہیے کہ اپنی اصلاح و حقیقت کو سمجھنے کے لیے اور خدا کا قرب و معرفت حاصل کرنے کے لیے ایک کامل مرشد ہی درکار ہے کیونکہ ہماری خلقت کا مقصد ہی محبت کے ساتھ معرفت خدا حاصل کرنا ہے اور ایک کامل مرشد ہی ہمیں حقیقت سے روشناس کرو سکتا ہے اور ہم حقیقت کو سمجھ جائیں گے تو پھر ایک دوسرے سے باہمی اتفاق و اخلاق و محبت کر سکیں گے اور ایک اچھے انسان بھی بن سکیں گے۔



پُرسکون ماحول

قسمتِ نوع و بشرطِ دلیل ہوتی ہے یہاں  
اک مقدس فرض کی تکمیل ہوتی ہے یہاں

عطیات و خیرات کا بہترین مصرف  
یہاں پر قرآن و سنت کی تعلیم دی جاتی ہے

دارالعلوم قادر یہ چشتیہ نظامِ مہر و ارشیہ

دارالعلوم سے ملحقہ

خصوصی تعاون برائے

# مسجد نور الهدی

کی تعمیر کے لیے دل کھول کر عطیات جمع کروائیں۔

نزد پل بیاس چک نمبر L-2/32 او کاڑہ

واقعہ بیعت

رحمۃ اللہ علیہ

فانی اللہ شہد عشق سراپا حیرت

# حضرت میاں فقیر حیرت شاہ صاحب حیرت وارثی

(تحریر: محمد سلمان دارث بر ق وارثی بھٹی - ملتان)

یوں تو سلسلہ وارثیہ میں بیشمار جید فقراء سلسلہ فقر و عشق میں اپنی اپنی زندگی یا زر بے مثال کے نام پر قربان کی ہے۔ سلسلہ وارثیہ کے گلستان میں کئی باکمال فقراء نے سر کار عالم پناہ کے فیضان کو مانند خوشبو بکھیرا ہے۔ انہی فقرا میں ایک ایسے فقیر وارث کا تذکرہ مقصود ہے جو کہ سراپا حیرت و عشق ہے۔

پنجاب (انڈیا) کا مشہور شہر جالندھر، ۱۸۸۴ء میں ایک نیک سیرت اور دیندار خاندان کے ہاں ایک فرزندِ ارجمند کی ولادت کی خوشیاں منائی گئیں جس کا نام نامی عبدالرحیم رکھا گیا، جو میلی حسن خاں میں جیسے عیید کا سماں بندھ گیا۔ حسن ایسا کہ لوگ دور دور سے دیکھنے آتے اور بزرگی ایسی کہ بچپن سے ہی اولیاء اللہ بے پناہ شفقت اور محبت فرماتے۔ زمانہ طالع لعلی سے ہی نماز و روزہ اور دیگر ارکانِ دین کی پابندی، والد کریم میاں احمد بخش وارثی کی صحبت کا اثر تھا۔ شہر جالندھر کے ہائی سکول سے میٹرک پاس کیا، دہلی کے کالج سے انٹر اور پھر اسلامیہ کالج لاہور سے گریجویشن کے بعد پنجاب کے ہی مکھموں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۹۲۷ء میں ICS کا امتحان پاس کر کے پوسٹ اینڈ ٹیلیکراف میں AC اور پھر بعد میں ڈپٹی ڈائریکٹر مقرر ہوئے ہی تھے کہ ایک روز خسرو کے وارث پاک، لسان طریقت فنا فی اشیخ قبلہ فقیر بیدم شاہ صاحب وارثی جلوہ افروز ہوئے جیسے ہی نگاہ ناز میاں عبدالرحیم پر پڑی قلبِ اطہر سے آواز آئی:

”من تو شدم تو من شدی“

بقول میاں عبدالرحیم:

یہ حضور قبلہ میاں صاحب وارثی کی چشم نیم باز کا کرشمہ تھا کہ میں عشق وارث میں محو تحریر ہو گیا۔ گویا دل کی دنیا ہی زیر وزبر ہو گئی، کیفیت تبدیل ہوئی تھی کہ کمال زیست حاصل ہوا۔ اس شبِ مجھ ناچیز کو سیدنا امام وارث الاولیاء سرکار

عالم پناہ قدس سرہ کی زیارت مبارکہ کا شرف حاصل ہوا۔ گویا معراج حاصل ہوئی۔

بارگاہ سرکار میں طلبی ہوئی تو خادم خاص میاں فیضو شاہ صاحب وارثی نے میرے نام کی منادی کروادی تو میں فوراً بارگاہ عالم نواز میں حاضر ہوا اور قدم بوئی کا شرف ملا، سرکار نے اپنے دست مبارک سے مجھے شیرینی نوش کروائی پھر میری آنکھوں میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور میرا ہاتھ حضرت قبلہ میاں بیدم شاہ صاحب وارثی کے دست مبارک میں دے کر ارشاد فرمایا۔

"لویہ ہماری حیرت ہے، اسکو حفاظت سے رکھو"

جب صحیح بیدار ہوا تو صحیح صادق کا وقت تھا لیکن آنکھیں نور علی نور، مجھے زمین و آسمان کی ہر مخفی شے نظر آ رہی تھی، اسی اثناء میں وضو کیا اور با جماعت نماز کے لیے مسجد پہنچا تو سب نمازی مجھے حیرت سے دیکھنے لگے، اس وقت میری آنکھیں روشن اور چمکدار، منہ اور جسم سے خوبیوں کی مہک جاری تھی، امام مسجد نے شفقت اور محبت سے پیشانی کو بوسہ دیا اور پوچھا کہ کہیں حاجی صاحب؟ (عالم پناہ) کی زیارت تو نہیں ہو گئی جسکی وجہ سے محقق حیرت ہو۔ امام صاحب کی مبارک باد کے ساتھ گھر تو آ گیا لیکن دلی کیفیات اور بے قراری بڑھتی گئی۔

اسی بے قراری کی عالم میں گھر سے نکلا اور دہلی روانہ ہو گیا، اول دہلی شریف میں درگاہ حضرت شیخ کلیم اللہ چشتی کے مزار پر سلام و قدم بوئی کے بعد حضرت سرہد مست قلندر شہید کے مزار پر حاضری دی وہاں ایک مست درویش نے با آواز بلند صد الگائی کہ نصیر الدین محمود دہلی کا چراغ روشن ہیں، حضرت امیر خسرو محبت ہیں، حضرت نظام الدین محبوب اللہی ہیں اور ساری دہلی کے قطب اقطاب خواجہ بختیار کا کی ہیں۔ گویا مجھے اشارہ دیا، اسی اشارے پر سب بارگاہ خواجگان میں قدم بوئی وسلامی دی اور آخر درگاہ قطب اقطاب مہروی میں شب باشی کے بعد حضور سرکار قطب اقطاب نے ارشاد فرمایا کہ پھر سرہد مست شہید کی بارگاہ میں سلامی پیش کرو۔ حکم پا کر صحیح ہی جامع مسجد دہلی شریف مزار پر انوار میں حاضر ہوا اور قدم بوئی کی۔ پھر اسی درویش نے صد الگائی کی تم کو حضور حاجی دارث پاک قصبہ دیوہ شریف بلا تے ہیں۔ درویش کی خبر نے اور بے قرار کر دیا۔

دل اڑائے لے جاتی ہے ہواد ہوئی کی

ملتی جلتی ہے مدینہ سے فضاد یوئی کی

دہلی سے لکھنؤ، لکھنؤ سے بارہ بنکی، بارہ بنکی قصبه دیوی شریف آستانہ عرش نشاں سر کار عالم پناہ، وارث الاولیاء قدس سرہ شب میں حاضر ہوا، دیکھا کہ آستانہ اشرف العالمین کے صدر دروازے کے قریب حضور قبلہ میاں بیدم شاہ صاحب وارثی رونق افروز ہیں کہ جیسے کسی کے انتظار میں ہوں، جب میں حاضر ہوا تو حضور قبلہ میاں صاحب نے مخاطب فرمایا کہ ”عبد الرحیم آگئے؟“ تو میں نے با ادب عرض کیا حضور غلام حاضر ہے۔ بس پھر کیا تھا حضور قبلہ میاں صاحب مجھے لیکر حضور سر کار عالم پناہ قدس سرہ کے آستانہ شریف میں حاضر ہوئے بیعت وارث پاک سے مشرف فرمایا اور میرے دنیاوی کپڑے اتار کر زرد کفن پوشی فرمادی اور فرمایا کہ:-

”اب تم پر بیشان نہ ہو، سر کار عالم پناہ نے اپنی حیرت تم کو عطا فرمادی ہے آج سے تمہارا نام عبد الرحیم نہیں حیرت شاہ وارثی ہے، جو بھی تم کو دیکھے گا وہ خود حیرت زدہ ہو جائے گا“

حیرت نگاہ یار نے نہ جانے کیا کیا  
حیراں ہوں اب کہاں رہوں جاؤں کدھر کو میں

(ماخذ عکس حیرت)

جناب میاں عطا اللہ ساگر وارثی اپنی تصنیف ”خیر الوارثین“ میں روایت نقل کرتے ہیں کہ جس شب آستانہ معلیٰ دیوی شریف میں آپکی احرام پوشی ہوئی تو صبح مبارکباد کی محفل منعقد ہوئی، سارے قبے میں مٹھائی حضرت حافظ پیاری نے تقسیم کروائی۔ بعد محفل حضور قبلہ میاں (بیدم

شاہ) صاحب وارثی نے مجھ حیرت زدہ کو کچھ ضروری ہدایات اور آداب خرقہ پوشی و ریاضت تعلیم فرمائی کر رخصت کر دیا۔

وارث کار ساز کے صدقے  
مرشد بے نیاز کے صدقے  
ہم فقیروں کو سر بلند کیا  
ایسے ذرہ نواز کے صدقے

میری حیرت انہی کا صدقہ ہے

اپنے آئینہ ساز کے صدقے



## ہدیہ عقیدت بحضور جناب حیرت شاہ

باغ وارث کے عمدہ گلاب حیرت شاہ

عالیٰ قدر و عزت مآب حیرت شاہ

جناب وارث و بیدم کی عنایت کے سبب

خوب چمکے بصورت مہتاب حیرت شاہ

نگاہ مرشد پہ کیا جان و دل، سب قربان

شہید راہ محبت ہیں جناب حیرت شاہ

مشرف جب سے ہوئے دید سر کار سے وہ

نور سے بھر پور ہواتب سے شباب حیرت شاہ

جناب بیدم کے تصدق برق کو دیجیے

صدقہ رخ پر نور عالی جناب حیرت شاہ



# ساتی

(بطرز مسدس حالی)

توں ایسا کوئی اج پلا جام ساتی      نہ ہستی دا باقی رہے نام ساتی  
 صح ہو وے چا ہے، چا ہے ہو وے شام ساتی      رہے وچ نگاہ اوہ دل آرام ساتی  
 رہے تا قیامت ایہہ میخانہ تیرا  
 تے چلدار ہے نت ایہہ پیانہ تیرا  
 میں صدقے تیرے کوئی ایسی پلا دے      جو میں میں تے توں توں دا جھگڑا مکا دے  
 نہیں بے پیالہ تے خمنہ نوں لا دے      دکھادے توں شانِ کریمی دکھادے  
 رہے تا قیامت ایہہ میخانہ تیرا  
 تے چلدار ہے نت ایہہ پیانہ تیرا  
 جو ویج کر بلا دے سی تیرے ہتھوں پیتی      جو منصور نے سی تیرے ہتھوں پیتی  
 تے جو ہے سی سرمست نے نوش کیتی      اوہو دے دے ہے منگد یاں عمر بیتی  
 رہے تا قیامت ایہہ میخانہ تیرا  
 تے چلدار ہے نت ایہہ پیانہ تیرا  
 پلا دے توں اجمیر والے دا صدقہ      تے گنج شکر بھولے بھالے دا صدقہ  
 تے کلیر دے صابر اجا لے دا صدقہ      نظام الدین ماہی نزا لے دا صدقہ

رہے تا قیامت ایہہ میخانہ تیرا

تے چلدار ہے نت ایہہ پیمانہ تیرا

گھٹا ہے فلک تے عجب چھائی ہوئی  
جھٹڑی ہے انہاں خوب ہی لائی ہوئی

پلا دے توں کیوں دیر ہے لائی ہوئی  
طبعیت ہے پیون نوں للچائی ہوئی

رہے تا قیامت ایہہ میخانہ تیرا

تے چلدار ہے نت ایہہ پیمانہ تیرا

نظر آوے اک، اپنا تے بیگانہ  
پلا ساقیا کوئی ایسا پیمانہ

پھرے گاؤندہ ابرایہ و ترانہ  
دے اکوہی کعبہ و بت خانہ

رہے تا قیامت ایہہ میخانہ تیرا

تے چلدار ہے نت ایہہ پیمانہ تیرا

(کلام: حضرت ابر شاہ وارثی<sup>ؒ</sup>)

انٹھار گروپ کی تیار چھتیں، دیواریں اور فرشی پیورز

**IZHAR**

GROUP OF COMPANIES

**CH. MUHAMMAD YOUNAS**

Managing Partner

0300-6960932

ISO-9001  
CERTIFIED

**CHAUDHARY BROTHERS**

Deal In: Izhar Concrete (Pvt.) Ltd. / Hard Ware & Auto Store

چوہدری برادرز چوک دیسا پورا او کاڑہ

OKARA Ph. :0442-811185 Res:0442-641088



# اسلامی فکر اور تصوف

پروفیسر محمد نعمن صدیقی  
لیکچر رائیساً پر کالج کھرڑیانوالہ  
فضل دار العلوم محمد یہ غوشیہ، بھیرہ شریف

اسلامی تعلیمات کے حوالہ سے یہ بنیادی نکتہ نظر پیش نظر رہنا چاہیے کہ اسلام ایک معاشرتی دین ہے۔ جو تمام انسانی رویوں کے لیے متوازن فکر اور صحیح سمت کی طرف لے جانے والا ہے۔ کوئی بھی عمل ہواس کی طاہری صورت یقیناً مرغوب ہوتی ہے اور اسلامی تعلیمات ان اعمال کو بجالانے کیلئے کچھ ضابطے مقرر کرتی ہے۔ ان ضابطوں کی تحدید و تدوین علم فقہ کہلاتی ہے۔ اعمال کو بجالانے کے ساتھ ساتھ اسلام ہمیں اعمال کے اندر حسن نیت کا بھی حکم دیتا ہے تاکہ عمل اور نیت میں، حرکت اور ارادہ میں، ظاہر اور باطن میں یک رنگی پیدا ہو جائے۔

حدیث جبرائیل علیہ السلام کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کا ہر رخ واضح کر دیا گیا ہے۔ اس حدیث میں ایمان کی وضاحت بھی کردی گئی۔ عقائد کی اساس کو بیان کر دیا گیا۔ مگر اس کے بعد ”احسان“ کا سوال پیش کیا گیا کہ احسان کیا ہے؟ تو فرمایا ”اللہ کی یوں عبادت کرے جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر یہ مقام حاصل نہ ہو تو پھر یوں عبادت کرے جیسے وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

عبادت کی معراج بھی یہی ہے کہ عبد اپنے معبدوں کے حضور میں ہوا اور مشاہدہ کر رہا ہو۔ یہ بلند تر مقام ہے۔ معلوم ہوا کہ عبادت کا نظریہ اور مقصد یہ ہے کہ حضوری کا تصور نصیب ہو۔ ظاہری ارکان تو سب ادا کر لیتے ہیں مگر یہ ادا نیگی تو اس وقت منزل مراد تک رسائی حاصل کرتی ہے جب حضوری کا کیف نصیب ہوتا ہے۔

اعمال کو ترتیب سے ادا کرنا اور حدود میں رہ کر ان کو انجام دینا علم فقہ کا میدان ہے مگر ان اعمال کا باطنی گداز اور روحانی سرشاری، علم تصوف کا موضوع ہے۔

## تصوف کی تعریف:

۱۔ حضرت جنید بغدادی، تصوف کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

الْتَّصَوُفُ هُوَ أَنْ يُمِيَّتَكَ الْحَقُّ عَنْكَ وَيُصِيكَ بِهِ

یعنی تصوف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے تیری ذات سے فا کر دے اور اپنی ذات کے ساتھ زندہ کر دے (تذكرة الاولیاء ص ۲۲۶)

۲۔ ابو بکر الکتبانی کی تعریف ایجاد اور جامعیت کا شاہکار ہے۔

وہ فرماتے ہیں، التَّصَوُفُ : صَفَاءٌ وَ مُشَاهَدَةٌ۔ (تذكرة الاولیاء ص ۲۸۷)

یعنی تصوف صفاء یعنی تزکیہ اور مشاہدہ کا نام ہے۔

ان دونوں سے پہلی بات (صفاء) سبب ہے اور دوسرا بات (مشاہدہ) غایت اور مدعا ہے۔ یہ تعریف بڑی جامع ہے اس میں سالک کی منزل کا بھی ذکر ہے اور اس راستہ کا بھی جو سالک کو منزل تک لے جاتا ہے۔

### لفظ صوفی کی تحقیق:

صوفی کا لفظ کس سے مشتق ہے اس بارے میں علماء کے کئی اقوال ہیں۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الا زہری ”مقالات“ میں لفظ صوفی پر بحث کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں،

۱۔ صوفی کا ماغذ سوف ہے جو یونانی زبان کا لفظ ہے۔ سوف کا معنی ”حکمت“ ہے اسی لیے حکیم اور دانشور کو فیلیسیوف کہتے ہیں۔ فیلا کے معنی محبت اور سوف کے معنی حکمت یعنی دانش اور حکمت سے محبت کرنے والا۔ سوف کے لفظ کو جب عربی میں ڈھالا گیا تو تحریف کے بعد صوفی ہو گیا۔ (مقالات، جلد اول، ص ۲۸۱)

بعض علماء کے نزدیک صوفی لفظ صوف سے مستعار ہے۔ ابتدائی دور کے صوفیاء چونکہ صوف کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے اس لئے صوفی یعنی صوف والے مشہور ہو گئے۔ علامہ ابن خلدون اسی نظریہ کے قائل ہیں۔ (نحویات تصوف، ص ۱۲)

۲۔ صوفی، صوف سے ہے یعنی وہ شخص جو اصحاب صوف کی سی زندگی گزارتا ہے اور ہمہ تن اسلامی مشن کے لئے کوشش رہتا ہے۔ دنیاداری سے لائق ہے۔ بظاہر تو یہ وجہ بڑی معقول معلوم ہوتی ہے لیکن قواعد اشتراق اس کی اجازت نہیں دیتے۔ اگر صوف سے نسبت ہو تو پھر صوفی کہا جاتا۔

۳۔ صوفی ”صفا“ سے مشتق ہے۔ یعنی صفائی قلب والا۔ علماء کی اکثریت اسی قول کی قائل ہے۔

مولانا جامیؒ اس حوالے سے فرماتے ہیں۔

صوفی وہ ہے جو اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب کر لیتا ہے اور اپنی طبیعت کو آلاتشوں سے پاک کر لیتا ہے۔ (تفہمات تصوف، ص ۱۲)

### تصوف کی اقسام:

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ”کشف الحجب“ میں تصوف کے حوالے سے تین اقسام کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ صوفی: یہ شخص ہے جو اپنے آپ سے فانی اور حق کے ساتھ باقی ہو۔ اپنی طبیعت کے قبضہ سے رہائی پائے ہوئے ہوا وحق کے ساتھ ملا ہوا ہو۔

۲۔ متصف: وہ متکلف صوفی جو مجاہدے اور تکلف سے صوفیاء کی صاف میں شامل ہو۔

۳۔ مستتصوف: وہ انسان جو دنیاوی مال و ممتاز اور عزت حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو صوفی ظاہر کرے۔ صفا اور تصوف سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ ایسے نقلي صوفیوں کے لیے عرفاء کا مقولہ ہے:

”المُسْتَصْوِفُ عِنْدَ الصُّوفِيَّةِ كَالِذِيَابِ وَ عِنْدَ غَيْرِهِ هُمُ الْكَالِذِيَابِ“

کہ جعلی صوفی صوفیاء کرام کے نزدیک حقیر مکھی کی مانند ذلیل و خوار ہے۔ جو آلو دگی پسند ہے مگر یہ شخص غیر لوگوں کے سامنے بھیڑیا ہے اور ان سے مال ہتھیا لیتا ہے۔ (کشف الحجب، ص ۱۸)

### تصوف پر کیے جانے والے اشکالات:

تصوف سے مراد کیا ہے؟ اس کا اشتقاد کس مادہ سے ہے؟ یہ کب ایک اصطلاح بننا؟ کیا یہ خالص اسلامی طرز فکر کا مظہر ہے؟ یا اس میں غیر اسلامی عناصر بھی شامل ہیں۔ یہ اور اس طرح کے دیگر سوالات ہر دور میں موافق اور مخالف حلقوں میں اٹھائے جاتے رہے ہیں۔ آئیے! ان اعتراضات اور ان کے جوابات کا جامائی جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الا زھریؒ اپنے مقالہ ”اسلام اور تصوف“ میں رقم طراز ہیں:

”معترضین کا ایک طبقہ جس میں مستشرقین کے جید علماء بھی شامل ہیں، یہ کہتا ہے کہ تصوف کا مآخذ ہندوؤں کے وید ہیں۔ اور بڑے وثوق سے دعویٰ کرتے ہیں کہ تصوف میں چلہ کشی، ریاضت وغیرہ کے سارے طریقے

ہندوؤں جو گیوں اور سادھوؤں سے مستعار لیے گئے ہیں۔ اس طبقہ کے سرخیل ہارٹن (Horton)، بلوشیٹ (Blochet) اور ماسی نیون (Massignon) ہیں۔ یہ لوگ بڑی بڑی کتابوں کے مصنف ہیں اور بڑے محقق و مدقق شمار ہوتے ہیں۔ معلوم نہیں ان صاحبان کو اس بے مقصد تکلف کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ کیا انھیں معلوم نہیں کہ مسلمان صوفیاء کے ہادی و رہبر نبی کریم ﷺ نے غارِ حرام میں چلہ کشی کی تھی۔ اور ذکر الہی پر مداومت کے متعدد احکام قرآن اور حدیث میں بصراحت موجود ہیں۔ اور یہ سب ان کو اس وقت میسر تھا جبکہ ہندوؤں کی تہذیب و تمدن کے بارے میں جزیرہ عرب کے باشندوں کو سطحی قسم کی معلومات بھی میسر نہ تھیں۔ اس لیے صوفیاء کرام کی ریاضتوں اور چلہ کشیوں کو ہندو جو گیوں کی طرف منسوب کرنا الغویت کی انتہا ہے۔” (مقالات، جلد اول، ص ۲۸۹)

2۔ معتبرین کے ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ تصوف پر نصرانی تصوف کا بڑا اور گہرا اثر ہے۔ وہ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ عربوں اور عیسائیوں میں عہد قدیم سے باہمی روابط تھے۔ عرب ایک غیر متمدن اور جاہل قوم تھے جبکہ عیسائی دنیا علم و حکمت کے نور سے جگگار ہی تھی۔ اس لیے لازمی طور پر مسلمان صوفیوں نے عیسائی راہبوں سے تصوف سیکھا اور اس کو اپنایا۔

ہم عرض کرتے ہیں کہ اسلام کی آمد سے پہلے کے بارے میں آپ کا یہ نظریہ درست ہے لیکن ہم اس زمانہ کی بات کر رہے ہیں جبکہ عرب کے ظلمت کدہ کو وجہ کے نور تباہ نے رشکِ صد طور بنادیا تھا۔

حضور اکرم ﷺ نے خود اپنے ماننے والوں کو دنیا کی لذتوں میں کھوجانے سے سختی سے روکا تھا۔ قرآن کریم کی صدہ آیات ہیں جو مسلمانوں کو زہد و تقویٰ کی تلقین کرتی ہیں اور دنیا کی بے ثباتی کا نقش لوح قلب پر ثبت کرتی ہیں۔

حضور ﷺ کا فرمان عالیٰ شان ہے:

إِنَّمَا أَخَافُ عَلَيْكُم مِّنْ بَعْدِي مَا يُفْتَحَ عَلَيْكُم مِّنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: ”اپنے بعد میں تم سے جس چیز کے بارے میں ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ دنیا کی زینت اور کامیابی کے دروازے تم پر کھول دیے جائیں گے۔“

خود سوچیے کہ جس قوم کے پاس ان کی کتاب مقدس میں زہد و پرہیزگاری کے اتنے مؤثر مواعظ موجود ہیں انھیں

ان پریشان حال راہبوں کی تقلید کی کیا ضرورت ہے؟ جو خود بے یقینی کی موجودوں کے تھیڑے کھا رہے ہیں۔ (مقالات جلد اول، ص ۲۹۱)

۳۔ معتبرین یہ کہتے ہیں کہ تصوف جاہلوں اور ناخواندہ لوگوں کا مسلک ہے۔ جو لوگ زیور علم سے آراستہ ہیں اور تحقیق و تدقیق کے میدان میں پید طولی رکھتے ہیں۔ وہ تصوف کے قریب بھی نہیں بھٹکتے۔

جسٹس پیر کرم شاہ الازھریؒ اس اعتراض کے جواب میں رقم طراز ہیں:

یہ ایک ایسا الزام ہے جو اذرام لگانے والے کی کم نظری اور لاعلمی پر دلالت کرتا ہے۔ اکابر صوفیاء اپنے اپنے علم و فضل میں بھی اپنی نظری نہیں رکھتے تھے۔ وہ اپنے ہم عصر علماء و فضلا پر ہر لحاظ سے فوقيت رکھتے تھے۔ حضور غوث الاعظم شیخ عبدال قادر جیلانی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت شہاب الدین سہروردی، غوث العالم شیخ الاسلام حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی، حضرت بہاؤ الدین نقشبند، حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ اسرار ہم، یہ صوفیاء کرام نہ صرف اقالیم درویشی کے شہنشاہ تھے بلکہ کشور علم و فضل کے تاجدار بھی تھے۔ کون ہے جو ان حضرات اور ان کے جلیل القدر خلفاء پر جہالت کی تہمت لگا سکے۔ ان کی تصانیف آج بھی اہل علم و تحقیق سے خارج تھیں وصول کر رہی ہیں۔ (مقالات جلد اول، ص ۲۹۵)

### صوفیائے اکرام کے اقوال کی روشنی میں:

تصوف کیا ہے اس کے متعلق صوفیائے کرام کے چند ارشادات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

”ہمارے طریقے کی بنیاد کتاب و سنت پر ہے اور ہر وہ طریق جو سنت کے خلاف ہو باطل ہے۔“

(تحصیل التعرف فی معرفة القصہ والتصوف، شیخ محمد اردو ترجمہ، ص ۶)

شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ کا ارشاد ہے:

”تصوف کیا ہے؟ بس احکام شریعت پر بننے کے عمل کا خلاصہ ہے۔ علم تصوف، چشمہ شریعت سے نکلی ہوئی نہر ہے۔“ (الطبقات الکبریٰ شیخ عبدالوہاب شعرانی ص ۲)

شیخ عبدال قادر جیلانیؒ کا ارشاد ہے

”جو شخص نبی کریم ﷺ کی پیروی نہیں کرتا ایک ہاتھ میں شریعت اور دوسرے ہاتھ میں قرآن مجید نہیں تھا متن اُس کی رسائی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تنک نہیں ہو سکتی۔“ (فتح الغیب ص ۲۰۶)

امام دارالحجۃ حضرت مالک بن انس کا فصلہ ہے کہ:

”جس نے علم فقہ حاصل کیے بغیر راہِ تصوف اختیار کی وہ زندگی ہوا۔ اور جس نے علم فقہ حاصل کیا، تصوف کے راستے پر نہیں چلا وہ فاسق ہوا۔ جس نے دونوں کو جمع کیا وہ صحیح مومن ہے۔“ (تحصیل التعرف فی معرفة القصہ و التصوف، شیخ محدث اردو ترجمہ، ص ۲)

### حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ تصوف:

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے سب سے زیادہ زور تصوف کے حوالے سے غلط نظریات کو باطل کرنے پر لگایا۔ تصوف کیا ہے اس بارے میں اکابر صوفیاء کے فرمودات حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پیش نظر تھے۔ حالات کی سرکشی اور علم و عرفان کے مرکز کی پستی نے آپ کے وجود کو ہلا دیا تھا۔ اس لیے آپ نے اپنے مکتوبات میں تصوف پر پڑی ہوئی گردکو دور کیا۔ آپ کے چند ارشادات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اور

۱۔ شریعت کے تین جزو ہیں۔ علم، عمل اور اخلاص، جب تک تینوں جزو محقق نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی۔ اور جب شریعت حاصل ہو گی گویا حق تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو گی۔ (مکتبات جلد اول مکتبات ص ۳۶، ۱۸۲)

یہ خیال بھی بعض حلقوں میں گردش کرتا رہا ہے کہ مقصود توانی کی رضامندی اسی ذات پر ہے اس لیے کیوں نہ بلا واسطہ اسی ذات سے لوگانی جائے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ایسے ماحول کا خود مشاہدہ کیا تھا۔ اس لیے آپ نے برعکس اور پوری قوت کے ساتھ حقیقت کو آشکار کیا۔ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”مَن يطع الرسول فقد أطاع الله“ (جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے رسول کی اطاعت کو عین اپنی اطاعت فرمایا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی وہ اطاعت جو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے سوا ہو وہ حق تعالیٰ کی اطاعت نہیں۔ (مکتبات جلد اول، مکتبہ ۱۵۲، ص ۳۳۵)

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں: انبیاء علیہم السلام نے، جو تمام مخلوقات میں سے بہتر ہیں، شرائع کی طرف دعوت

دی، اور اپنی تمام تر زندگی اسی پر رہے۔ پس سب سے بھاری نیکی یہی ہے۔ کہ شریعت کو رواج دینے اور اس کے حکموں میں سے کسی حکم کو زندہ کرنے میں کوشش کی جائے۔ خاص کرایے زمانے میں جب کہ اسلام کے نقوش بالکل مٹ گئے ہوں۔ کروڑ ہارو پیہ خدا کے رستے میں خرچ کرنا اس کے برابر نہیں کہ شرعی مسائل میں سے ایک مسئلے کو رواج دیا جائے۔ (مکتوبات جلد اول، مکتوب ۲۸، ص ۳۰۸)

قارئینِ محترم! تصوف ایک ہمہ گیر تحریک ہے۔ اس کا مقصود یہ ہے کہ ہر ہر شعبۂ حیات میں حُسن عمل کی نمودا یے ہو کہ پورا معاشرہ ہی پیکرِ حُسن بن جائے۔ دعائے ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا جائے تو اس میں نبی کریم ﷺ کی آمد کے مقاصد میں سے جو ایک مقصد بیان کیا گیا وہ ”بُرْزَكِهِم“ تھا کہ: ”لوگوں کو تزکیہ نفس کی دولت حاصل ہو جائے۔“

نماز فرض ہے ہر ایک مسلمان نے ادا کرنی ہے۔ مگر کچھ پڑھنے والے ایسے بھی تھے کہ نبی کریم ﷺ کو دھرا نے کا حکم دینا پڑا۔ علم فقہ اگر ظاہری شرائط نماز کی تفصیل بتاتا ہے تو تصوف نماز کی قبولیت کی راہ ہموار کرتا ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ تصوف بھی نقہ کی طرح ہر مسلمان کی ضرورت ہے۔ ”فِي صَلَاتِهِمْ خَاتُونَ“ میں ایسی ہی نماز کا بیان ہے۔ روزہ ایک فرض عبادت ہے۔ اس کی شرائط فقہ کی کتابوں میں درج ہیں۔ روزہ کے آداب کی پاسداری بھی لازم ہے۔ روزہ کا وقت بھی مقرر ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ”جس نے روزہ رکھ کر جھوٹ نہ چھوڑا، زبان کو طہارت عطا نہ کی، تو وہ روزہ دار نہیں۔“ یہی وہ منزل ہے جو صفائی قلب سے حاصل ہوتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تصوف وہ نظام ہے جو انسان کی صرف جسمانی تربیت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا بلکہ اسے روحانی بالیگی بھی عطا کرتا ہے۔ جب انسان تزکیہ نفس کی دولت حاصل کر لیتا ہے تو پھر اس کا دل، اس کی روح اور اس کے جسم کا روای رواں ذکرِ الہی سے سرشار ہوتا ہے۔ اس کے اندر تواضع، انکسار، بردباری، تخلی، عفو و درگزر، محبت و اخلاص اور مودت جیسے مکارِ اخلاق پیدا ہوتے ہیں کہ دنیا ان کے نورانی چہرے کی زیارت کر کے ان کا دین قبول کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

تصوف کی تاریخ اور صوفیائے کرام کی پاکیزہ زندگیوں کو دیکھ کر ایک منصف مزاج محقق اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ



اسلام میں تصوف کا وہ مقام ہے جو روح کا جسم میں، خوشبو کا پھول میں اور روشنی کا مہتاب میں ہے۔ جب سے تصوف کی طرف ہماری رغبت کم ہوئی ہے ہماری عبادات میں گداز اور حُسن ختم ہو گیا ہے۔ ہم اپنی عبادات میں لذتِ حضوری سے ہی دامن ہو چکے ہیں۔ جسم تو بارگاہِ اللہی میں جھلتا ہے۔ لیکن روح کو خبر تک نہیں ہوتی۔ اور تصوف کی سب سے بڑی منزل یہ ہے کہ خود کو نبی کریم ﷺ کی بارگاہ تک لے جایا جائے۔ حضور ﷺ کے عشق سے اپنے قلبِ روح کو مزین کیا جائے۔ سعدی نے کہا تھا

— محل است سعدی — کہ راهِ صفا

تو ان رفت جز در پے مصطفیٰ ﷺ

(اے سعدی! محل ہے کہ کوئی شخص ابتدائی رسول ﷺ کے بغیر (اوکسی ذریعہ سے) تصوف کا راستہ طے کر سکے)



فیضانِ وارت

پروپرائزٹر: ناصر علی وارتی

ٹائمز

0300-3409925

# الوارث فریش روڈ پاؤست

ہمارے ہاں

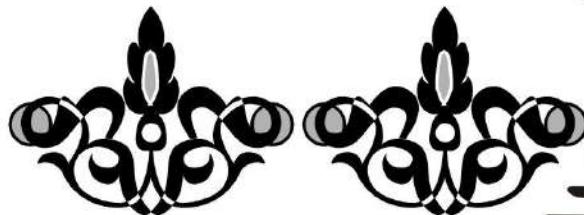
چکن شوارما، چکن پلیٹ شوارما، چکن برگر، زنگر برگر، زنگر شوارما اینڈ شامی برگر  
دستیاب ہے

میں وحدت روڈ وارت کالونی سطاپِ ملتان چونگی لاہور



# مذہب اور شعورِ انسانی

امتیاز علی

پی ایچ ڈی سکالر  
لاہور گیریشن یونیورسٹی

انسانی فکر اور مذہب کا چویٰ دامن کا ساتھ ہے۔ انسانی فکر مذہب کے سامنے میں خود کو ہلکا بچھا کا اور مسرو محسوس کرتی ہے۔ مذہب انسانی فکر کے لیے حتیٰ سند اور ابدی استناد کا درجہ رکھتا ہے۔ مذہب فکر انسانی کو صائب راستے پر گامزن رکھتا ہے۔ مذہب ہی انسانی فکر کے حشو وزو زائد کی کانٹ چھانٹ کر کے اس کی تہذیب کرتا ہے۔ انسانی فکر مطلقاً اپنی جڑ تو مذہب میں نہیں رکھتی مگر مذہب سے تازگی و تو انائی ضرور حاصل کرتی ہے۔ اگر انسانی فکر مذہب سے اپنا دامن جھاؤ لے تو انسانی فکر کے درخت پر خوبصور پھل پھول لگنے کے بجائے درشتی اور ترشی کے کانٹے اگنے لگتے ہیں۔ انسانی فکر مذہب کے بغیر قائم تور ہتی ہے مگر اس میں سے لطافت نامی عنصر محظوظ جاتا ہے۔ انسان فکری طور پر مریضانہ کیفیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ انسانی فکر مذہبی پشت پناہی سے عاری ہو کر شترے مہار کی طرح سرگردان ہی رہتی ہے اور کسی بھی منزل پر اپناست کے سکون اور احساس سے محروم رہتی ہے۔ انسان کی فکر مذہبی سہارے کے بغیر ایک نفسیاتی جنون کی شکل اختیار کر لیتی ہے جس میں اعتدال متانت اور مسرت کے عناصر باقی نہیں رہتے۔ ٹونگ مذہب سے عاری صاحبانِ تفکر مگر نفسیاتی مریضوں کے بارے میں کہتا ہے:

”میرے تمام مریضوں میں ایک بھی ایسا نہیں تھا جس کی زندگی کے دوسرے حصے میں ایسا بنیادی مسئلہ موجود نہ ہو جس کا تعلق آخر کار ایک نئے مذہبی نظریے کی تلاش کے ساتھ قائم نہ کیا جاسکے۔“ (۱)

وہ مزید کہتا ہے کہ یہ فکری اور نفسیاتی مریض تک ٹھیک نہیں ہوتے جب تک یہ کسی مذہب کو اپنا سہارا

نہ بنالیں۔ یعنی مذہبی احساس انسان اور اس کی فکر کو نفسیاتی طور پر صحت مندر کھتا ہے۔ نیز انسان کو فکری طور پر جرأت مند اور با حوصلہ بنا تا ہے اس معنی میں کہ اس کے پاس ایک الہی سہار موجود ہے۔

درج بالا اقتباس سے یہ بات واضح ہو چلی ہے کہ مذہب اور مذہبی احساس سے خود کو عاری کرنے کا نتیجہ انسان کی فکر کا نفسیاتی طور پر مرضیں ہو جانا ہے۔ اس کی وجہ یہ حقیقت ہے کہ مذہب انسان کے لاشعور کا ایک اہم اور مسلم حصہ ہے اور چونکہ یہ انسان کے لاشعور میں جائزیں ہوتا ہے اس لیے بعض انسان اپنے لاشعور میں اس کی شناخت یا اس کی موجودگی سے غفلت بر تے ہیں جب کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انسانی لاشعور میں موجود مذہبی احساسات سے غفلت سے انسانی فکرتازگی کے عمل میں جمود اور تعطل کا شکار ہو جاتی ہے۔

مذہب دراصل انسانی لاشعور کا وہ خزانہ ہے جو اسے اپنے توارث میں ملتا ہے۔ کوئی بھی انسان مذہب کے احساس سے عاری پیدا نہیں ہوتا۔ ہر انسان لاشعوری طور پر مذہب سے اکتساب ضرور کرتا ہے۔ منکرین مذہب کے انکار مذہب کے جواز کی حقیقت یہ ہے کہ وہ مذہبی احساسات کی شناخت اور ان کی ماہیت و حقیقت تک رسائی سے محروم ہوتے ہیں۔ مذہب انسان کے لاشعور کا ایک لازم ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں بھی اس نفسیاتی حقیقت کو بخوبی بیان کیا گیا ہے:

”کل مولود یولد علی الفطرة و ابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمسانہ۔“<sup>(۲)</sup>

ہر پیدا ہونے والا انسان فطری طور پر اسلام پر پیدا ہوتا ہے اس کے والدین اسے یہودی عیسائی یا مجوہی بنادیتے ہیں۔

اس حدیث پاک میں انسان کے لاشعور میں پیدائشی طور پر ہی مذہب کے ودیعت کردیے جانے کی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ اختلاف مذہب کے عضروں کو بالائے طاق رکھ کر ترجمہ کریں تو معنی یہ ہو گا کہ ہر انسان ایک مذہب پر پیدا ہوتا ہے پھر جب اس توارث میں اس کا ماحول شامل ہوتا ہے تو اس کے مذہب کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ ہر انسان کے لاشعور میں مذہب کی موجودگی کو جدید نفسیات نے بھی تسلیم اور بیان کیا ہے:

”اجتماعی لاشعور کے آرکی ٹائپ کے بارے میں یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ تحریبی طور پر مذہبی ادعا کے مساوی ہیں اور وہ تمام جانے بوجھے مذہبی خیالات کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں۔“<sup>(۳)</sup>

انسان کا لاشعور انسانی ذہن کی وہ اعلیٰ ترین پرت ہے جو اپنی نوعیت میں بنیادی طور پر کسی نہیں بلکہ ایک

وہی یعنی قدرت کی ودیعت کردہ حقیقت ہے۔ جس میں انسانی تفکر کچھ تبدیلی نہیں کر سکتا سوائے اس سے اکتساب کرنے یا اپنے تجربات کو اس میں محفوظ کرنے کے۔ یعنی انسانی لاشعور کو ہم اس کرانے کے مکان کے ساتھ تشیبہ دے سکتے ہیں جس کا انسان نہ تو مالک ہے اور نہ اس کے تغیری ڈھانچے میں کسی تبدیلی کا مجاز و مختار ہے۔ سوائے اس کے کوہ اس میں اپنا سامان رکھتا ہے یا اسے رہائش کے لیے استعمال کرتا ہے۔

انسانی لاشعور کو اس میں اپنے تجربات کے اضافے کے علاوہ دیکھیں تو یہ سراسر ورثے میں ملنے والی ایک شے ہے۔ اس میں جملی اور فطرت عادات، تخلیقی صلاحیتوں کے علاوہ مذہب کا وجود شامل حال ہوتا ہے۔ انسان اپنی زندگی کے تجربات و واقعات کے اضافے کے ساتھ ایک نئے لاشعور کے طور پر اپنی نسل میں منتقل کر دیتا ہے۔ اسی طرح انفرادی لاشعور نسل اور زمان در زمان اجتماعی لاشعور میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

ژونگ کے نزدیک انسان کے اجتماعی لاشعور یا انفرادی لاشعور کے بنیادی اجزاء میں ایک مذہب بھی ہے جو اسے اپنے آباء سے توارث میں ملا ہوتا ہے۔ جب انسان مذہبی دائرہ کار میں عملی طور پر یا فکری طور پر داخل ہوتا ہے تو اس کے مذہبی تجربات یا اکتسابات اس لاشعور میں موجود مذہبی جوہر سے ممااثلت یا مطابقت کے راستے انسان کے اعتقادات مذہبیہ کا روپ دھار لیتے ہیں۔ انسان کے عملی زندگی کے مذہبی تجربات یا اکتسابات لاشعوری مذہبی حصے کی مطابقت میں ہوتے ہیں۔ جن میں مزید تفکر کے ذریعے انسان ان کی تصدیق کے طور پر ان کی موافقت یا تردید کی صورت میں ان سے مخالفت کا قائل ہوتا ہے۔ انسان کے لاشعور کا یہی مذہبی حصہ اس کی فکر کی پشت پناہی کرتا ہوا اس کی شخصیت میں کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔

### انسانی شخصیت

انسانی شخصیت ایک انفرادی شخصی تاثر کا نام ہے جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتا ہے۔ فکری اعتبار سے نیز کرداری اعتبار سے، انسانی شخصیت دو چیزوں کا مجموعہ ہے:

### توارث:

توارث سے مراد ہے اسے آباء سے ملنے والی عادات و خصائص یا فطری خصوصیات ہیں۔ انسانی شخصیت کا یہ حصہ کلیتاً وہی ہوتا ہے۔

## ماحول

ماحول سے مراد انسان کے اعمال یا اس کے نتائج کی شکل میں حاصل ہونے والے انسان کے اپنے اکتسابات ہیں جو اس کی فکر میں اضافے کے ذریعے اس کے انفرادی لاشعور میں ختم ہو جاتے ہیں۔ انسانی شخصیت کا یہ حصہ کلیتاً کبی ہوتا ہے۔

جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث کے ضمن میں بھی انسانی شخصیت کے لاشعور میں مذہب کے فطری طور پر موجود ہونے کے ساتھ ساتھ انسان کی شخصیت کے انہی دشکیلی گوشوں کی طرف اشارہ ہے کہ توارث کے طور پر اور انسانی لاشعور کے نام پر اپنے والدین سے مذہب حاصل کرتا ہے اور ماحول کے طور پر انسان اس میں تنفس کے ذریعے اس کی موافق یا مخالفت پر تیار ہوتا ہے۔

فلسفہ ان کی انفرادی ذہنی کوشش کی نمائندگی کرتا ہے جبکہ مذہب اجتماعی ذہن کی نمائندگی کرتا ہے کیونکہ فکر انسان کی شعوری انفرادی صلاحیت ہے جب کہ مذہب انسان کے اندر ایک لاشعوری وجود ہے۔ جو نسل بعد نسل منتقل ہوتا ہوا اجتماعی لاشعور یعنی اجتماعی ذہن کے طور پر انسانی لاشعور کا حصہ بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انسان کی فکر کے اندر مذہب کا عصر شامل ہوتا ہے یا انسان کی فکر/نفس کے راستے مذہب تک پہنچتی ہے تو وہ اجتماعی خیالات کی تائید کرتی نظر آتی ہے کیونکہ مذہب معاشرے کے اجتماعی لاشعور کا پتابدیتا ہے۔

انسانی فکر جب اپنے لاشعور سے اکتساب کرتی ہے تو تخلیق کو نئے زاویے ملتے ہیں، انسان کی فکر اور قوت تخلیق میں نویکلاپن اور ندرت در آتی ہے۔ انسانی تہذیب کے امین تمام فنون کا بنظر غائر مطالعہ کریں تو ان کے اندر جس تہذیبی و معاشرتی فکر کا اظہار ہے وہ ان کے مذہب کی چھاپ سے مزین ہے۔ انسانی تہذیب کا سب سے بڑا عصر مذہب ہے جس کی نوعیت تہذیب کی انفرادیت کی پیدائش کا سبب بنتی ہے، اجتماعی لاشعور میں موجود مذہبی حصے کو فراموش کیے جانے پر ژوگ برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے:

”ہم شاید اس بات کو بھلا چکے ہیں کہ مذہب نے ہماری تاریخ میں کس قدر زیادہ اہم کردار ادا کیا ہے اس نے ہمارے جذبوں کو کس قدر تو انائی عطا کی ہے اور وہ شدید قوت جو اس نے آرٹ کے اندر داخل



کی ہے جس کی وجہ سے کیسی کیسی عمارتیں تعمیر ہوتی ہیں اس کی وجہ سے  
ہم نے کیا کیا کچھ سکھایا ہے کیا کچھ سکھایا ہے۔” (۲)

مذہب، انسان کی نفیات اور فکری صلاحیتوں پر گہرا اثر رکھتا ہے۔ مذہب، انسان کے شعور کے اعلیٰ ترین زاویے یعنی لاشعور میں ایک اہم کردار کا حامل ہے۔ ٹونگ نے مذہب کی تعریف ہی عناصر حرکیہ پر غور و فکر کرنے سے کی ہے، انسان ان حرکی عناصر پر غور اس لیے کرتا ہے کہ وہ نفیاتی طور پر مذہب کا محتاج ہوتا ہے۔ اجتماعی لاشعور میں مذہب ایک تفاعل کے طور پر موجود ہوتا ہے جو انسان پر اسی طرح اثر انداز ہوتا ہے اور انسان کے اعمال و حرکات کا سبب بنتا ہے جیسے دیگر وہی عناصر جیسا کہ جنس، تشدد اور جبلت وغیرہ۔

### حوالہ جات

- ۱۔ شہزاد احمد، ٹونگ نفیات اور مخفی علوم، لاہور: سنگ میل پبلی کیشن، ۱۹۹۷ء، ص: ۲۹۳۔
- ۲۔ محمد بن اسماعیل البخاری، ابو عبد اللہ، صحیح بخاری شریف، جلد اول (کتاب الجماز)، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۸۵ء، ص: ۵۹۷۔
- ۳۔ شہزاد احمد، فرائید کی نفیات، لاہور: سنگ میل پبلی کیشن، ۱۹۹۹ء، ص: ۸۷۔
- ۴۔ ایضاً، ص: ۸۶۔

جینون پیٹر انجن پارٹس بازار سے بار عایت اعتماد سے خریدیں

**چودھری فیلٹر**

المشهور 32/2.L

ہارڈ و سیرائینڈ آٹوسٹور

چوک دیپاپورا و کاڑہ

پروپرائز وقار احمد چودھری فون نمبر 0442-511185

موبل آئل، پیٹر انجن پارٹس، فلٹر، پیرنگ، وی بیلٹ، کیل، قبضہ، ورماؤنر، قابلہ، گریس وغیرہ



# شخصیات جنہیں بھالا یا نہیں جا سکتی

تحریر: شبیر احمد شہیر۔ راوی پندتی

## افتخار احمد المعروف حاجی صاحب

حضرت قاضی غلام مجی الدین بڑے باوا جی اور قاضی احمد جی چھوٹے باوا جی کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا روحاںی مرتبہ انتہائی بلند تھا۔ ان کی کرامات کا ظہور اس طرح دیکھا کہ ان کے گھر انے میں نورانیت اور پاکیزگی کا ایک بے مثال ماحول معرض وجود میں آگیا تھا۔ یہی کیفیت اس بستی اور گرد و نواح کی تھی۔ آپ کی اولاد میں جو حقوق العباد اور معاملات میں آپ کی طرح تھے ان کا ذکر اس تذکرہ میں بالخصوص کر دیا گیا ہے۔ ایسی ہی ایک شخصیت افتخار احمد کی ہے۔ افتخار احمد حضرت قاضی احمد جی کے نواسے اور حضرت قاضی محمد فضل و مائی زینب کے صاحبزادے ہیں۔ حضرت قاضی احمد جی کی ایک کرامت یہ بھی ہے کہ جب آپ کی نواسی نسیم زہرا بتولؒ ابھی پچی تھیں، رقم ان سے چھوٹا اور افتخار احمدؒ سب سے چھوٹا تھا تو آپ نے فرمایا: میری نواسی بتولؒ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دربار میں منظور و مقبول ہے اور افتخار احمدؒ کو کا علی کے خطاب سے نوازتے ہوئے فرمایا کہ یہ بچہ حضرت خواجہ بختیار اوشی کا کی محفوظون دہلی خلیفہ اعظم حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری سلطان الہندؒ کے نقش قدم پر ہوگا اُس وقت حضرت بی بیؒ نے فرمایا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں یہ تو ابھی بچے ہیں۔ اس پر حضرت قاضی احمد جی نے پُر زور کہا کہ مجھے علم ہے۔ اور واقعی یہ کرامت یوں پوری ہوئی کہ آپ کے وصال کے برسوں بعد جب باجی نسیم زہرا بتولؒ بڑی ہوئیں تو اپنی پرہیزگاری اور عبادت میں بے مثال بنیں اور بھائی افتخار احمدؒ نے یوں زندگی بسر کی کہ ہر لمحہ صداقت ظاہر ہوتی رہی اور اللہ اللہ کرتے اپنی جان اللہ رحمن و رحیم و غفار کے سپرد کر دی۔ یوں ساری زندگی کے شب و روز سے معلوم ہوا کہ وہ واقعی حضرت خواجہ بختیار اوشی کا کی کے نقش قدم پر ثابت ہوا۔

بھائی افتخار احمد اور راقم کی عمروں میں چونکہ کم فرق تھا اس لیے ہم دوستوں کی طرح رہے۔ بھائی جوانی میں بیماریوں میں بتلا ہوئے اور بڑھاپے میں آخری لمحہ تک بیماریوں کی تنکالیف جھیلیں اور یوں اللہ کے فضل سے گناہوں سے پاک ہو کو اپنے اللہ ستار و غفار حقیقی سے جامنے۔ آخری چند سالوں میں تنکالیف اس قدر بڑھ گئیں کہ راقم دن رات سفر و حضر میں ساتھ رہا لیکن کبھی ان کی زبان پر حرف شکایت نہ پایا۔ ساری عمر عبادت گزار رہے اور وہ بھی کچھ اس طرح کہ ظاہری دکھاوانہ تھا۔ اللہ اور اللہ کے رسول پاک ﷺ سے انتہائی رگا و سترہ بار زیارت کعبۃ اللہ، مسجد نبوی اور روضہ الرسول پر حاضری یوں دی جیسے روح وہیں کی باسی ہے۔ ۲۰۱۶ء میں بیماری بھی شدید تھی اور مکہ و مدینہ کی زیارت کی ترتیب بھی عروج پر تھی، حاجی کے ساتھ مل کر عمرے کا پروگرام بنایا۔ میری تشویش پر کہ اس معذوری میں کیسے جاؤ گے تو مجھے کہنے لگے آپ بھی ساتھ چلیں۔ چنانچہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ان کی وہیل چیز پر ہر زیارت اور ہر عبادت کی سعادت میرے نصیب میں تھی البتہ روضہ رسول ﷺ پر وہ میرے سہارے پر اپنے قدموں سے حاضری دیتے رہے۔

خیرات و صدقات میں ایسے تھی کہ کسی کو خبر نہ ہونے دیتے۔ پر ہیز گاری ایسی کہ ہر شخص آپ کو حاجی صاحب اور شاہ صاحب کہہ کر پکارتا جیسے آپ کا حج عمرہ واقعی مقبول ہو چکا ہو۔ لوگوں سے معاملات بہت عمده، ہنس مکھ، خوش اخلاق یوں کہ سب آپ کے فریفہ تھے۔ بھتیجی بھتیجوں سب سے محبت کرنے والے اور بالخصوص میرے دونوں بچوں محمد وجیہ احمد اور محمد فضیح احمد کے متعلق کہتے تھے کہ یہ تو میرے بچے ہیں، ان میں میری جان ہے۔ سکول یا صدر سے والپس آتے تو بسکٹ، ٹافیاں وغیرہ لے کر آتے اور کہتے یہ میرا گھر میں داخل ہونے کا اجازت نامہ ہے۔ آپ کے شاگرد اور صدر راویں پنڈی میں لوگ آپ کی بے انتہا عزت کرتے، دعاوں کی درخواست کرتے۔ سو سب پر اظہر من اشمس ہے کہ چھوٹے باواجی کا ارشاد مبارک کیسے پورا ہوا؟ فی الواقع یہ حیران کن ہے۔

آپ کی پیدائش ۲۸ دسمبر ۱۹۵۵ء میں ہوئی اور ۲۱ سال ۱۱ ماہ ۲۳ دن گزار کر اس دارِ فانی سے ۲۰ دسمبر ۲۰۱۷ء رات ۸:۳۵ پر وصال ہوا۔ مری والے لال بادشاہ کے ایک صاحب حال مرید کے بقول سچا موتی اس دارِ فانی سے رخصت ہو گیا۔ لیکن دوسری طرف یہ آج بھی دل محبت کی وادیوں اور دعاوں میں زندہ ہیں۔

## صاحب جی

آپ بوقت سحر بروز یکشنبہ 7 ربیع الاول 1317ھ 2 ماہ ساون میں پیدا ہوئیں۔ آپ قاضی احمد جی چشتی نظامی حیدری کی بڑی صاحبزادی تھیں، آپ کی شادی سنگھوئی ضلع جہلم میں صوبیدار حکیم محمد یوسف قادری سروری سے ہوئی، محمد حسین آپ کے بڑے صاحبزادے تھے، جو نیلی بار میں اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کرتے تھے، اعلیٰ نقیض ذوق کے مالک تھے، حکیم زاہد حسین پنجاب کے سکولوں میں انگلش تیپر تھے، صاحب علم تھے، صرف نحو تفسیر اور فقہ پر دسترس حاصل تھی، عزیز احمد تیسرے صاحبزادے تھے جو عزت شاہ وارثی کے نام سے مشہور ہوئے، انہوں نے اپنے تایا حاجی اکمل شاہ وارثی (حضرت وارث علی شاہ دیوال شریف بارہ بنگی کے فقیر) کے مزار چھپر شریف تحصیل گوجرانوالہ کی تغیری کی۔

صاحب جی نے اپنے والد صاحب حضرت احمد جی اور حضرت غلام مجی الدین کے زیر سایہ پرورش پائی تھی پاکیزگی، طہارت اور نیکی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ صاحب معرفت و وجدان تھیں، انتہائی عبادت گزار متقدی اور پرہیزگار تھیں۔ آپ ایک نیک اہلیہ اور پاکیزہ صفت مال تھیں۔ ہمارے والدین اور ہم سے بے پناہ محبت کرتی تھیں۔ آپ نے ساری زندگی اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا۔ علاقہ کے مردوں ن آپ کے نقدس کے قائل تھے، اللہ اللہ کرتی آپ اس دنیا سے رخصت ہوئیں تو ایک جہاں اشکبار تھا۔ آپ کا انتقال 29 رب جن 1389ھ بمقابلہ 13 نومبر 1966ء کو ہوا۔ سنگھوئی، شاہ مشتاق صاحب کے مزار کے متصل آپ کی تربت ہمراہ آپ کے بیٹوں محمد حسین اور زاہد حسین کے ہے۔

## مائی خانم جی

آپ اول رمضان 1335ھ میں پیدا ہوئیں۔ دینی تعلیم اپنے گھر میں ہی ہوئی۔ آپ کی مناکحت قریشی، ہاشمی خاندان کے ایک نہایت ہی نیک نفس انسان قاضی حسن دین سے ہوئی، جو چھوٹے بیٹے محمد سعید کی پیدائش کے پچھے عرصہ بعد انتقال فرمائے۔ بیوگی بہت کس مدرسی کے عالم میں بسر ہوئی، لیکن آپ نے صبر کا دامن

ہاتھ سے نہ چھوڑ اور بچوں کی پرورش کا سلسلہ چلتا رہا۔ اس ضمن میں آپ کی چھوٹی بہن (والدہ صاحبہ)، بہنوئی (والد صاحب) نے بھی آپ کی دستگیری کی۔ کچھ دیگر افراد نے بھی امداد کا سلسلہ جاری رکھا تاکہ آپ کی اولاد برسر روز گارہو۔

آپ بھی نہایت، پرہیزگار اور عبادت گزار خاتون تھیں، تہجد، نمازوں کا قیام اور نوافل کا اہتمام دینی و روحانی ذوق شوق سے کرتی رہیں۔ قرآن پاک کی تلاوت آپ کا اوڑھنا، بچھونا تھا۔ ہر وقت قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول رہتیں۔ ایک دفعہ آپ کی چھوٹی بہن نینب بی نے کہا کہ آپ دوپہر کو قرآن پاک کی تلاوت نہ کیا کریں کیونکہ یہ وقت زوال کا ہے۔ اس پر فرمائے لگیں کہ اس وقت، میں قرآن پاک کا ترجمہ پڑھتی ہوں۔ سبحان اللہ! اس سے بڑھ کر کرامت کیا ہو گی کہ قرآن پاک کی تلاوت کا جذبہ جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ آپ کا وصال 1997ء میں ہوا۔ صاحب دھمیال، تحریک کھوٹہ کے قبرستان میں تدفین عمل میں لاٹی گئی۔



آئندہ سوزو گداز میں مرطالعہ کریں

سیرت النبی ﷺ فقہی، معاشرتی اور سماجی  
مسائل کا حل

سیرت النبی ﷺ سیریز کا آغاز

پروفیسر محمد نعیمان صدر لٹھی کے قلم سے

فضل

(دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف)



# مشیر حسین قدوائی وارثی

بیر سٹرائیٹ لاء

تحریر و تحقیق: میاں غلام فریدوارثی

آپ کی پیدائش 28 نومبر 1878ء میں گدیہ ضلع بارہ بنکی، انڈیا میں ہوئی۔ والد گرامی کا اسم شیخ احمد حسین تھا۔ آپ کا تعلق گدیہ کے ایک زمیندار گھرانے سے تھا۔ مسلمانوں کو ابتدائی طور پر منظم کرنے کی کوششوں میں آپ کا نام نمایاں طور پر جانا جاتا ہے۔ آپ نے ہندوستانی مسلمانوں کے جذبات اور احساسات کی ترجمانی انگریز حکومت کے سامنے بے خوبی کی۔ اس کے لیے آپ مختلف تحریک کے بانی رکن بھی تھے اور بہت سی تحریکوں کے روح رواں بھی تھے۔ آپ کا وصال 1937ء میں ہوا۔

**بیعت:**

شیخ مشیر حسین قدوائی بیر سٹرائیٹ لا مقیم انگلستان اپنا عقیدہ حضرت حاجی سید وارث علی شاہ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ:

”لڑکپن، ہی کے زمانہ سے خاص ذوق شوق سے میں مرید ہوا۔ گوئی میرے دونوں بھائی صاحبان حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی سے بیعت ہوئے تھے۔ مگر میں نے حضرت حاجی سید وارث علی شاہ میں کچھ ایسی کشش پائی کہ دل گرویدہ ہو گیا۔ لڑکپن کا زمانہ عقیدہ کیشی کا تھا۔ اب میں نے مادی یورپ کی بہت خاک چھانی ہے قریب قریب مشہور شہر اور دارالسلطنت علاوہ روس کے دیکھ ڈالے ہیں۔ موجودہ اختراعات مادی کو دیکھا ہے، موجودہ ترقی پر غور کیا۔ سائنس کی کتابوں کے مطالعہ کا مجھے خط ہے اور موجودہ زمانہ کے اعلیٰ ترین مادہ پرست میکل کاسکے میرے قلب پر بیٹھا ہوا ہے۔ ان کی شاندار کتاب کو میں نے پڑھا ہے۔ الغرض اس قدر تجربہ اور علم کے باوجود جواب مجھ کو حاصل ہوا ہے اور گو اب حاجی سید وارث علی شاہ کا وصال ہو گیا ہے مگر میری روح کو اس ذاتِ قدس سے وہی تعلق ہے جو لڑکپن میں شروع سے ہوا تھا۔

میں اس حیرت میں ہوں کہ خدا یا وہ کوئی بات اس ذات والا صفات میں تھی جو کافر اور مومن، زاہد و رند، عالم و جاہل، عیسائی اور یورپی، نبی روشنی والے اور پرانی روشنی والے سب کو چیخ لیتی تھی۔ گندہ تعویز وہ نہیں لکھتے تھے۔ وضع قطع ان کی عالمانہ تھی، کسی کے لیے دعا یادوانہ کرتے فلسفہ اور منطق سامنے اور چھومنتر کسی سے ربط نہ تھا۔ دیر تک اپنے پاس کسی کو بیٹھنے بھی نہ دیتے تھے، یہ سب کچھ تھا مگر پھر یہی لاکھوں شخص ہر رتبہ اور درجہ کے زن و مرد جاں شارانہ عقیدت رکھتے تھے اور وہ کوئی نہیں جانتا۔ میں نے کوئی خرق عادت یا کرامت حضرت سے نہیں دیکھی پھر بھی مجھے اس وقت اس کا پورا یقین ہے کہ اگر وہ چاہتے تو انتظام عالم کو ایک اشارہ سے بدل سکتے تھے۔” [مشکوہ حقانیت، فضل حسین دارثی، ص 369]

شیخ حسین قدواۃ پیر سڑ لا عربیں گدی یہ ضلع بارہ بنکی تحریر فرماتے ہیں کہ:

”ایک مرتبہ کا ذکر ہے جب کہ رمضان شریف کا مہینہ تھا، حضور انور ( حاجی سید وارث علی شاہ) گدیہ میں رونق افروز تھے۔ میں شب کے وقت خدمت عالی میں حاضر ہونے کے لیے چلا۔ میرے مکان کے قریب ایک مسجد ہے اس میں تراویح ہو رہی تھی اس وقت قرآن پاک کے الفاظ نے مجھے محو کر لیا کچھ دیر مسجد کے باہر کھڑا ہواستا رہا۔ پھر خیال آیا کہ حضور انورؒ کی خدمت میں جانا ہے کہیں دیرینہ ہو جائے مگر دل قرآن شریف کی طرف متوجہ تھا۔

میں حاضر ہوا تو آپ استراحت فرمار ہے تھے، مجھے دیکھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا:

”آؤ مشیر تم کو قرآن سنادیں“

میں حیرت میں رہ گیا کہ آج یعنی بات دیکھی اور کبھی تو ایسا ہوا نہیں۔ الغرض حضور انورؒ نے مجھ کو مختلف قرأت سے قرآن شریف سنایا۔

ایک دوسری روایت بیان کرتے ہیں کہ:

میں ایک مرتبہ آگرہ کی طرف سیاحت کو گیا تو آگرہ سے سنگ تراشی کی چیزیں لیتا آیا۔ ایک چھوٹا سا صندوق پچھے بھی تھا۔ حضرت اس زمانہ میں گدیہ میں رونق افروز تھے۔ دل میں آیا کہ اس صندوق پچھے کو حضور انورؒ کی خدمت میں پیش کر دوں، مگر پھر یہ خیال آیا کہ آپ کیا کریں گے۔ کسی کو دے دیں گے۔ اس لیے اس کو مکان ہی میں رکھوں، لیکن پھر دل نے یہی طے کیا کہ حضور انورؒ کی خدمت میں نذر کر دوں۔ چنان چہ اس کو لے کر حاضر ہوا تو آپ نے اٹھا کر دیکھا بہت پسندیدگی کا اظہار فرمایا، خوشی ظاہر فرمائی اور تھوڑی دیر کے بعد فرمایا:

”مشیر اسے تم رکھو تھا ری خوشی ہو گئی، ہم نے لے لیا“



یہ بالکل نئی بات تھی، مگر ظاہر ہے کہ حضور انورؑ کی کیفیت تھی کہ قلبی حالت پر آپ کو فوراً اطلاع ہو جاتی اور اسی کے موافق ارشاد فرماتے تھے۔ [مکملة حقانیت، فضل حسین وارثی، ص 511-510]

## تعلیم و ملازمت:

ابتدائی تربیت گھر سے حاصل کی، پھر لکھنؤ چلے گئے۔

لکھنؤ کالج سے گریجویشن کرنے کے بعد، 1897ء میں اعلیٰ تعلیم کی غرض سے دوسال کے لیے انگلینڈ تشریف لے گئے۔ وہاں رائل زرعی کالج واقع Cirencester انگلینڈ میں نمایاں مقام حاصل کرتے ہوئے، کئی ایک اسکار لشپ حاصل کی اور امتحان میں کامیاب امیدواروں کی فہرست میں سرفہرست رہ کر سونے کا تمغہ بھی حاصل کیا۔

اس کے بعد لندن میں انہوں نے بار کے امتحان لیے کوشش شروع کر دی اور بیر سٹرائیٹ لاء کا امتحان بہت تھوڑے عرصے میں پاس کر لیا۔ انڈیا واپسی پر آپ چھٹے گریڈ کے ڈپٹی مکٹر مقرر ہوئے۔ جولائی 1909ء میں آپ کی تقری ہوم ڈیپارٹمنٹ آف انڈیا میں بطور Criminal Intelligence رہ کر سونے کا تمغہ بھی آپ ریونیونسٹر آف جموں اینڈ کشمیر ریاست مقرر ہوئے۔

دوران انگلینڈ انقلابی روح بیدار ہوئی۔ یورپ کے مختلف ممالک کا دورہ کیا اور استبول بھی گئے، ان کے اس دورے سے ہندوستان سے آنے والے نئے انقلابیوں کے دروازے کھل گئے۔ جس کا اثر پہلی جنگِ عظیم کے دوران واضح طور پر دیکھا گیا تھا۔ 1904ء سے 1907ء تک لندن میں پان اسلامک سوسائٹی کے سیکریٹری کی حیثیت سے رہے۔ جس کی بنیاد 1903ء میں ہندوستان کے رہائشی عبداللہ مامون سہروردی نے رکھی تھی، جو خود پیشے کے اعتبار سے وکیل اور مصنف تھے۔ 1905ء میں مشیر حسین قدوالی کوتکی کے سلطان عبدالحمید نے پین اسلام ازم کے کام اور شوق کے سبب نشان امتیاز سے نوازا۔ جو اس وقت وہاں کا سب سے بڑا اعزاز تھا۔

ہندوستان واپس آنے کے بعد انہوں نے نہ صرف وکالت میں اپنا ہاتھ آزمایا بلکہ سیاست میں بھی حصہ لینا شروع کر دیا۔ وہ اس وقت کے ہندوستان کے سب سے زیادہ تعلیم یافتہ سیاسی لوگوں میں سے تھے۔ اس کی وجہ سے لوگوں سے ملاقاتیں بڑھتی گئیں۔ مولانا شبی نعمانی کی طرح تعلیم کے قریب آئے۔ شبی نعمانی نے لکھنؤ میں قدوالی

صاحب کی رہائش گاہ پر بیگم عطیہ فیضی سے ملاقات کی۔ مشیر حسین قدوامی مستقل لوگوں سے مسلسل قریب تھے اور اس کے نتیجے میں 1907ء میں انہوں نے کانگریس کی رکنیت حاصل کر لی۔

## تحریک خلافت:

اسلام کا قانون شرعی ہے کہ ہر زمانے میں مسلمانوں کا ایک خلیفہ و امام ہونا چاہیے۔ خلیفہ سے مقصود ایسا خود منحصر مسلمان بادشاہ اور صاحب حکومت و مملکت ہے جو مسلمانوں اور ان کی آبادیوں کی حفاظت اور شریعت کے اجراء و نفاذ کی پوری قدرت رکھتا ہو اور دشمنوں سے مقابلہ کے لیے پوری طرح طاقتور ہو۔

صدیوں سے اسلامی خلافت کا منصب سلاطین عثمانیہ کو حاصل ہے اور اس وقت از روئے شرع تمام مسلمانان عالم کے خلیفہ اور امام وہی ہیں۔ پس ان کی اطاعت و اعانت تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ جوان کی اطاعت سے باہر ہوا۔ اس نے اسلام کا حلقة اپنی گردن سے نکال دیا اور اسلام کی جگہ جا بیت مولی۔ جس نے ان کے مقابلہ میں لڑائی کی یا ان کے دشمنوں کا ساتھ دیا، اس نے خدا اور رسول سے لڑائی کی۔ اسلام کا حکم شرعی ہے کہ جزیرہ العرب کو غیر مسلم اثر سے محفوظ رکھا جائے۔ اس میں عراق کا ایک حصہ اور بغداد کا بھی داخل ہے، پس اگر کوئی غیر مسلم حکومت اس پر قابض ہونا چاہیے یا اس کو خلیفہ اسلام کی حکومت سے نکال کر اپنے زیر اثر لانا چاہیے تو یہ صرف ایک اسلامی ملک کے نکل جانے کا مسئلہ نہ ہو گا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ایک مخصوص سنگین حالت پیدا ہو جائے گی۔ یعنی اسلام کی مرکزی سر زمین پر کفر کا اثر چھا جائے گا۔ پس اس حالت میں تمام مسلمانان عالم کا اولیں فرض ہو گا کہ یہ اس قبضہ کو وطن سے ہٹانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور اپنی تمام قوتیں اس کام کے لیے وقف کر دیں۔

اسلام کے مقامات مقدسہ میں بیت المقدس اس طرح محترم ہے جس طرح حریم شریف۔ اس کے لیے لاکھوں مسلمان اپنی جان کی قربانیاں اور یورپ کے آٹھ صلیبی جہادوں کا مقابلہ کر چکے ہیں۔ پس تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس مقام کو دوبارہ غیر مسلموں کے قبضہ میں نہ جانے دیں۔ علی الخصوص مسیحی حکومتوں کے قبضہ و اقتدار میں اور اگر ایسا ہو رہا ہے تو اس کے خلاف دفاع کرنا صرف وہاں کی مسلمان آبادی ہی کا فرض نہ ہو گا بلکہ بیک وقت و بیک دفعہ تمام مسلمانان عالم کا فرض ہو گا۔<sup>[15-16]</sup> [تحریک خلافت، محمد عدیل عباسی، ص 55]



تحریک خلافت ہی کے زمانہ میں جمیعت العلماء ہند کا قیام عمل میں آیا جس کے روشن خیال علماء نے آخر وقت تک کانگریس اور گاندھی کے پیام عمل کی تائید کرتے ہوئے ملک کی آزادی کے لیے داروسن کو دعوت دی اور مسلم لیگ کا تادم آخر مقابلہ کر کے تقسیم پر بھی راضی ہو ہوئے۔

جس وقت تحریک خلافت کا آغاز ہوا، مسلمانوں میں بہترین دل و دماغ رکھنے والے دانشور موجود تھے مثلًا مولانا ابوالکلام آزاد، شیخ الہند مولانا محمود حسن، مفتی کفایت اللہ، مولانا ابوالوفاق شاء اللہ امر تسری، مولانا احمد حسین مدنی، مولانا محمد سجاد بہاری، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی، مولانا سلامت اللہ فرنگی محلی، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا سید محمد فاخرالہ آبادی، مولانا احمد سعید، مولانا سید داؤد غنوی، مولانا آزاد سنجانی، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مولانا ابوالقاسم سیف بنarsi، مولوی مشیر حسین قدوالی وارثی، ظفر الملک علوی، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مولانا حضرت موبہانی، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مسٹر مظہر الحق، ڈاکٹر سید محمد آغا صدر پنجاب، اور ظفر علی خاں وغیرہ۔

یہ وہ لوگ تھے جو تحریر و تقریر، علم و فن، فکر صالح اور تحقیق کے علاوہ میدان عمل کے بھی مجاہد تھے۔ ان میں انشا پردار بھی تھے اور شاعر بھی، علوم دینیہ کے مجتهد اور محقق بھی اور علوم دنیا اور علوم مغرب کے شناسا اور امام بھی۔ یہ تمام اکابرین ملت اس سرفروشانہ جدوجہد میں پورے انہاک اور بے جگری سے شریک ہو گئے اور تحریک خلافت اور تحریک آزادی ہند میں تبدیل ہو گئی اور ہندوستان کے تمام لیڈر یک دل ہو کر منزل آزادی کی جانب عزم و یقین کے ساتھ چل پڑے۔

مولانا محمد علی جب وفد کو لندن پہنچے اور لائنز جارج نے خلافت اسلامیہ کی برقراری سے انکار کر دیا تو مولانا محمد علی ماہی بے آب کی طرح رٹپ اٹھے اور بر طا کہا کہ یہ مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے اور آخر میں یہ کہا کہ ہم اپنے مذہبی معاملات کو ہر موقع پر اولیت دیں گے۔ یہ گویا ایک چلنچ تھا جو خلافت کی کشتوں کو ڈوبنے سے بچانے کے لیے بے سروسامان قوم کے جری لیڈ نے دنیا کی عظیم ترین طاقت کے سر برآہ کو دیا تھا۔ [تحریک خلافت، محمد عدیل عبادی، ص 21]

ایک اور وجہ جو مسلمانوں کو بے چین کیے ہوئے تھی۔ وہ برطانیہ کی بڑھتی ہوئی طاقت اور مسلم ممالک کے خلاف بالعموم اور ترکی خلاف بالخصوص اس کی معاندانہ کارروائیاں تھیں۔ مسلمان فخر سے وہ زمانہ یاد کرتے تھے۔

جب سلطان صالح الدین ایوبی نے رچڑھیسے شیر دل شہنشاہ برطانیہ اور دیگر مسیحی مجاہدین ممالک یورپ کو نکست دے کر بیت المقدس پر قبضہ کر لیا تھا۔ برطانیہ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی سعی و جدوجہد میں سب سے آگے تھا۔ 1414ء سے پہلے اس نے مسلمانوں کا شیرازہ منتشر کرنے کا پورا سامان کر لیا تھا۔ مصر پر انگریز کا آہنی پچھہ گڑا ہوا تھا۔ ایران، روس اور برطانیہ کا غلام ہو چکا تھا۔ مرکش پر فرانس قابض تھا۔ ترکی طرابلس المغرب کا صوبہ افریقہ میں کھو چکا تھا۔ ترکی ایک مرد بیمار کی طرح اپنی آخری سانسیں لے رہا تھا۔ ترکی اور کل یورپ سے قریب پانچ سو سال کی جنگ سب کے سامنے تھی اور مسلمان بجا طور پر یہ سمجھتا تھا کہ اگر یہ خلافت عثمانیہ کا جھلکلاتا ہوا چراغِ گل ہو گیا تو مسلمانوں کا کوئی وقار دنیا میں باقی نہیں رہے گا اور مسلمان دنیا کے صحراۓ ریگ زار میں ایک گم کردہ کارروائی کی شکل اختیار کر لیں گے۔ جنگ بلقان اور جنگ طرابلس میں مسلمانان ہند نے جو جوش اور ولولہ اور ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا تھا وہ پکار کر کہہ رہا تھا کہ خلافت کا زوال مسلمانوں کی برداشت سے باہر ہے۔

دوسری وجہ مسلمانوں کا سینہ کباب کر رکھا تھا وہ مسئلہ تھا حریمین الشریفین کی حفاظت کا اور ان کے غیر مسلم اقتدار میں بوجہ معاندت (عداوت) دول (حکومتیں) مغرب چلے جانے کا خطرہ۔

حریمین الشریفین، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ مقامات سے مقدسہ، بیت المقدس اور آثار قدیمہ بغداد و نجف و کربلاؒ معلیٰ کی حفاظت بھی ترکی کے خلفاء کے سپرد تھی۔ جنہوں نے کبھی اپنے آپ کو حجاز کا سلطان نہیں کہا بلکہ اپنا القب سلطان ترکی و خادم الحرمین الشریفین قرار دیا۔ خلیفۃ المسلمين تو وہ تھے ہی اور پکارے بھی جاتے تھے۔ سلاطین ترکی حریمین الشریفین سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے۔ انہوں نے بیت الحرام مکہ معظمہ کی توسعی اور حرم نبوی کی از سر نو تعمیر کی۔ مگر اس طرح کی ہر تاریخی چیز محفوظ ہے۔ حجاز سے کبھی انہوں نے کوئی ٹیکس وصول نہیں کیا۔ خانہ کعبہ اور بیت الحرام کے کل اخراجات حتیٰ کہ چراغ جلانے کے لیے تیل تک قلندریہ سے جاتا تھا۔ علماء اور فضلاء کے وظائف مقرر تھے۔ دوران جنگ شریف مکہ کی بغافت اور انگریزوں کے عمل دخل اور بالخصوص فلسطین میں یہودیوں کو وطن دینے کے بعد حریمین الشریفین کی حفاظت کی ذمہ داری تھی۔ یہ وہ چیز ہے جس ہر مسلمان کو جان سے زیادہ عزیز ہے۔ [تحریک خلافت، محمد عدیل عباسی، ص 30]

مولوی مشیر حسین قد وائی وارثی انجمن خدام کعبہ کے بانی و ممبر ان میں سے تھے۔ جنوری 1913ء میں انجمن خدام کعبہ کے نام سے ایک تنظیم لکھنو میں قائم کی، جس کا بنیادی مقصد مکہ اور مدینہ کی حفاظت تھا۔ بعد میں اس تنظیم نے خلافت تحریک کو زندگی بخشی، کیوں کہ بعد میں مولانا شوکت علی اور محمد علی اس تنظیم میں شامل ہو گئے اور باضابطہ طور پر 31 مارچ 1913ء کو مولانا شوکت علی نے اس تنظیم کا اعلان کیا۔ اپریل 1913ء کو مشیر حسین قد وائی نے [الہلال] کے مدیر مولانا آزاد کو خط لکھا، جس میں انجمان خدائے کعبہ کا نقشہ چھاپنے کو کہا اور آخر کار 23 اپریل کو شائع ہوا۔ چھ افرار مولانا عبدالباری، مشیر حسین قد وائی وارثی، مولانا شوکت علی، محمد علی، حکیم عبدالولی اور ڈاکٹر نظام الدین حسن (بیر ستر، لکھنو) نے آپس میں ملاقات کی۔ مولانا عبدالباری کو خادم الخادم چنایا گیا، مشیر حسین قد وائی وارثی اور مولانا شوکت علی اس کے سکریٹری اور باقی تین افراد کو معتمدین خادم الخادم بنادیا گیا۔ ان کی اکثر ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ لوگوں کو ذمہ داری دی گئی۔ ترکی کے سلطان کو خادم الحریمین سمجھا جاتا تھا، لیکن اس تنظیم کے سربراہ کو خادم الخادم کے لقب سے مولوی عبدالباری بنایا گیا۔ مشیر حسین قد وائی، مولانا شوکت علی کے ہمراہ اس تنظیم کے سکریٹری بنے۔ بڑے پیارے پر چندہ جمع کیا گیا۔ اس تنظیم کو عام لوگوں تک پہنچانے کے لیے یتیم خانے اور اسکول کھولے گئے تھے۔ اس تنظیم سے وابستہ لوگوں کی مدد سے بلقان کی جنگ کے دوران ترک ڈاکٹر مختار انصاری کی سرپرستی میں ایک میڈیکل مشن بھی بھیجا گیا۔

[Society and Politics in the New Imperial Capital of India, Donald

W. Ferrell, 1969 p232]

تحریک خلافت میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کے ساتھ مل کر بر صغیر کے مسلمانوں کے جذبات کی بھرپور ترجیحی نہ صرف انڈیا میں کی بلکہ انگلینڈ میں بھی کی۔ اس سلسلے میں، بہت سے صحافتی گزٹ کے ذریعے مسلمانان ہند کا موقف واضح کیا۔ مشیر حسین قد وائی کا لکھا ہوا پمپلٹ لندن کی مسلم سوسائٹی نے چھاپا تھا۔ جس کا عنوان [سلطنت عثمانیہ کا مستقبل] جس میں آپ نے بڑی تفصیل کے ساتھ سلطنت عثمانیہ کے زوال کے بعد اس کے مختلف ممکناں حل جو کہ مسلمانوں کو قابل قبول ہوں درج کیے۔

(جاری ہے)



ناصر علی وارثی  
پی ایچ ڈی سکالر

# میرا پیغامِ محبت ہے

تصوف کے مختلف سلاسلِ روحانیہ کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو ہر سلسلہ کی کچھ نہ کچھ تعلیمات متاثر کن نظر آتی ہیں۔ کسی سلسلہ میں عبادت پر زور ہے تو کسی میں زکر پر، کوئی مرشد اپنے مرید کو راہِ سلوک کی منازل طے کرواتا ہے تو کوئی فنا کے مراحل سے گزارتا ہے۔ گویا کہ تمام سلاسل اپنے اپنے طریق کے مطابق لوگوں کی روحانی تشنگی کو پورا کر رہے ہیں اور ساکان حق کو اپنے اپنے طریقہ کے مطابق اُس مالکِ گل کے احکامات پر عمل کروار ہے ہیں۔

روحانی وادیوں کی سیر کریں تو سلاسل کا ایک الگ گلشن نظر آتا ہے۔ جس میں تمام پھول، پودے اور درخت اپنی خوبیوں میں مہکا رہے ہیں اور احکامِ الہی پر خود کو گامزن کرنے والے مذکورہ خوبیوں سے خود کو مستفیض کر رہے ہیں۔ انہی سلاسلِ روحانیہ میں ایک سلسلہ جو اپنی تعلیمات اور پیغام کے اعتبار سے الگ پہچان بنائے ہوئے ہے۔ میری مراد ”سلسلہ وارثیہ“ ہے۔ جس کی بنیاد مادرزاد ولی حضرت حاجی و حافظ سید وارث علی شاہ صاحبؒ نے ”محبت“ پر کھلی اور فرمایا:

”ہمارے ہاں محبت ہے۔ جو ہم سے پیار کرتا ہے وہ

ہمارا ہے چاہے وہ چوڑا یا چھار ہی کیوں نہ ہو“

زیر نظر مضمون میں سلسلہ وارثیہ کے اس پیغام کا مختصر تعارف مقصود ہے۔ کیوں کہ آج کے دور میں ہمارے ہاں صرف اور صرف محبت کی کمی ہے، عبادات تو ہیں لیکن عابد کا دل معبود کی طرف نہیں۔ نبی ﷺ سے عشق تو ہے لیکن عاشق کے دل میں دنیا کی چاہ ہے۔ دین تو ہے لیکن اب محض رسم و رواج کی حد تک۔ حقوق العباد صرف اپنے لاچ کو پورا کرنے کے لیے ہی نظر آتے ہیں۔ لہذا اس امر کی ضرورت ہے کہ ایک ایسا جامع پیغام اور تعلیمات ہوں

جو لوگوں کو دل سے خدا اور رسول ﷺ کے قریب لائے۔ جس میں حقوق العباد کا عملی نمونہ موجود ہوا وہم بالتوں سے نکل کر ایک دوسرے کا واقع تھا خیال کرنے والے بن جائیں۔

سلسلہ وارثیہ میں محبت ہی کیوں؟ پہلا پیغام محبت۔ یہی کیوں؟ آئے محبت کرو۔ کیوں؟ گویا کہ محبت ہی ابتداء انتہا ہے۔ یہی دین واپیاں ہے۔ اگر محبت نہیں تو کچھ نہیں۔ اس کا سادہ سا جواب تو یہی بتتا ہے کہ:

م درِ دل کے واسطے پیدا کیا انساں کو  
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرو بیاں

اللہ تعالیٰ نے بھی پہلا حکم یہی دیا۔ اے بندے مخلوق سے پیار کر۔ خالق کا پیار حاصل کرلو گے۔ یہی وجہ تھی کہ انسان نے عبادات و ریاضت سے بھی پہلے محبت کو اپنایا۔ کیونکہ جب تک محبت نہ ہو عبادات قبولیت کے درجے تک نہیں پہنچ سکتیں۔ گویا اس کائنات میں محبت کو کلی بنیاد کا رتبہ حاصل ہوا۔

جب ہم سلسلہ وارثیہ کی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں زکر اذکار، درود و طائف، اور عبادات کے طور پر یقون سے بھی پہلے محبت کرنے کا پیغام ملتا ہے۔ یعنی اگر ہم کسی بھی مذہب یا مسلک کے علاوہ کوئی بھی راستہ یا طریقہ اختیار کریں گے تو سب سے پہلے ہمارا دل لگاؤ اس کے لیے ضروری ہے۔ پھر اس کے بعد ہم اس کام کو بہتر طور پر سرانجام دے سکیں گے۔ لیکن اگر دل لگاؤ نہ ہوگا تو کوئی بھی کام اچھے طریقے سے ہونا تو درکنار بلکہ سب سے شروع ہی نہ ہو سکے گا اور اس میں خیر اور بھلائی بالکل بھی نہ ہوگی۔ سلسلہ وارثیہ میں عبادات میں سب سے پہلے نماز کا حکم دیا جاتا ہے۔ حاجی سید وارث علی شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

”جونماز نہیں پڑھتا وہ ہمارے حلقة بیعت سے خارج ہے۔“

گویا کہ دینی احکامات پر عمل ضروری ہے لیکن یہ عمل تب پورا اور اچھا ہو گا جب اس میں محبت شامل ہوگی۔ کیا محبت کے بغیر بھی نماز بڑھی جاسکتی ہے؟ یقیناً اس کا جواب ہر کسی کے پاس نفی میں ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے محبت کا درس دیا گیا۔ اسلام بحثیت دین ایک راستہ ہے۔ جو سب سے پہلے اپنے ہاں بھلائی، ایثار، اخوت و بھائی چارہ، اور قربانی کا درس دیتا ہے۔ وہ عبادات سے بھی پہلے، کینہ، حسد، بعض، عداوت اور غرور و انا کو ختم کرنے کی شرط رکھتا ہے۔ یعنی اللہ بندے کو کہتا ہے کہ اے بندے! اپنے دل میں غرور و تکبر اور کینہ، حسد و بعض

کے بت کوتولڑ، جس کی توروز پوجا کرتا ہے۔ پھر تیرے دل میں ایثار بھائی چارہ اور محبت خود بخود آجائے گی اور تو مخلوقِ خدا سے خود بخود پیار کرنے لگے گا۔ خدا تیرے دل میں آئے گا۔ تقویٰ تیرا مسکن ہو گا۔ اخلاقِ حسنہ تیرا راستہ۔ جس سے نہ صرف تیری دنیا بہتر ہو گی بلکہ آخرت میں بھی سرخرو ہو گا۔

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات یعنی دینِ اسلام کا مطالعہ بین المذاہب سے کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ہر مذہب نے اپنے ہاں اخلاقیات کا درس دیا ہے لیکن دینِ اسلام کی یہ خاصیت تھی کہ آپ ﷺ کی تعلیمات اور پیغام میں نہ صرف سب سے پہلے محبت اور حسنِ اخلاق کی تلقین تھی بلکہ ہر مذہب سے بھی بڑھ کر لوگوں نے اسے پایا اور پھر جامع اخلاقی تعلیمات کو دیکھ کر لوگ جو ق در جو ق آپ کے جھنڈے نتلے جمع ہونا شروع ہو گے۔ تمام مذاہب کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ ان کے ہاں صرف ایک زبانی پیغام تھا لیکن نبی کریم ﷺ نے زبانی پیغام کے بجائے خود عمل کر کے دکھایا۔ آپ ﷺ نے ہر ہر کام کا اپنا عملی مجسمہ لوگوں کے سامنے رکھا۔ آپ ﷺ نے چالیس سال تک مکہ کے لوگوں کو اپنے عمل سے صرف اور صرف پیار محبت اور حسنِ اخلاق کی تعلیم دی۔ چالیس سال کے بعد اپنے رویہ اور چال چلن کو بنیاد بنا کر لوگوں کے سامنے توحید کا پیغام رکھا۔ گویا اسلام کی بنیاد بھی محبت اور اعلیٰ اخلاق پر رکھی گئی تھی۔ اگر معاشرے میں ہم کسی سے محبت نہیں کر سکتے یا ایثار و اخوت سے پیش نہیں آتے تو ہماری عبادات بھی کسی کام کی نہیں ہوں گی۔

مذکورہ اسلامی نظام کو مددِ نظر رکھ کر اگر دیکھیں تو سلسلہ وار شیعہ میں محبت کا پیغام ہمیں یعنی اسلامی طریق پر لیجاتا ہے۔ جس سے ہمارے اندر چھپی ہوئی مشہاس نکل کر رسول میں منتقل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حاجی وارث علی شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

”ایمان محبت کاملہ کا نام ہے۔“

آج کے دور میں کیا ایمان کوئی الگ چیز کا نام ہے؟ اگر ہم یہ سوچتے ہیں تو یقیناً سوچ بھی یہی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن تحقیق کے بعد پتہ چلتا ہے کہ آپ کی نیت کیا ہے؟ آپ کے دل کا ارادہ کیا ہے؟ اسی چیز کا نام ایمان ہے۔ دل میں بغض اور فساد ہوا ورز بان پر عبادت کا پیغام۔ آج کے دور میں یہی ایمان کی اصل صورت دکھائی جاتی ہے۔ گویا یہ منافقت سے کسی طور کم نہیں۔ لیکن سلسلہ وار شیعہ میں محبت کا پیغام ہمارے قلوب کو صاف کر کے معاشرتی برائیوں

سے روک کر ظاہر و باطن کو ایک کرتا ہے۔ اسی لیے تو فرمایا:

”رضائے یار عاشق کا ایمان ہے۔“

حاجی وارث علی شاہ کے اس فرمان سے ہمیں نہ صرف محبت بلکہ ایمان کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جو عاشق کو عاجز بھی بناتا ہے اور احکامِ الٰہی کی تمام تر رعنائیوں سے متعارف کرواتا ہے۔ آج ہم عبادت میں تو آگے نکل گئے ہیں۔ زہدو تقویٰ کا دکھاوا بھی سرچڑھ کر بولتا ہے لیکن ہمارے قلوب میں محبت کا عنصر کس قدر ہے؟ گویا یہ محض بات کی حد تک باقی ہے حقیقت میں کچھ نہیں۔

انسان اس کائنات میں اپنے خالق و مالک اور اپنے نبی ﷺ سے محبت کرتا ہے۔ جن کے احکامات اس پر لازم و ملزم ہیں۔ کیا اس کے بعد محبت کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے؟ بخدا نہیں۔

”محبت ہے تو سب کچھ ہے اور محبت نہیں تو ریاضت بیکار ہے۔“

شاید یہ وقت اور کاغذ کم پڑ جائے کہ انسان کس کس سے محبت کر سکتا ہے۔ لیکن فی زمانہ انسان نے محبت کی تعریف کو الٹ کر دیا ہے۔ محبت کا لفظ سامنے آتے ہی ایک منفی سوچ اور منفی رد عمل معاشرے میں پھیل چکا ہے۔ حالانکہ حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے۔ وہ کام یا حرکات جن کو آج محبت کا نام دیا جاتا ہے وہ سرے سے محبت ہے ہی نہیں۔ بلکہ میں تو اس کی تعریف ہوں کے لفظ سے کرتا ہوں۔ ذرا غور کریں! معاشرتی طور پر ہماری گراوٹ کا کیا حال ہے اور ہم اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے کیا سے کیا کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

”جس کو اپنی خواہشات کی خبر ہے وہ عشق سے بے خبر ہے۔“

آج حقوق العباد تو پورے کرنے ہیں لیکن اس کے نام میں فرق آ چکا ہے۔ گویا کہ صرف اور صرف زبان کی حد تک محبت باقی ہے۔ قلب و عمل میں مکار م اخلاق بالکل ختم ہو کر رہ گئے ہیں۔ تو ضروری ہے کہ آج کے اس دور میں محبت، محبت اور محبت کو عام کیا جائے۔ جو صرف لفظوں کی حد تک باقی نہ ہو بلکہ عملی طور پر بھی ہمارے قلب و عمل میں پیوستہ ہو۔ یہی پیغام سلسلہ وارثیہ کا ہے۔ جو ”الحب“ پر اپنی ساری تعلیمات اور پیغام کا دار و مدار رکھے ہوئے ہے۔

زیر نظر مضمون میں قطعاً سلسلہ وارثیہ کی تعلیمات کا ذکر نہیں کیا جا رہا۔ کوئی پڑھ کر اگر سوچ کے بس محبت کرو اور

عبادات کا کوئی رتبہ نہیں۔ ہر گز یہ منفی سوچ مراد نہیں۔ عبادات کا رتبہ الگ ہے اور سلسلہ وار شیہ میں اس کی مکمل تعلیمات بھی ہیں جن کا مختصر زکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔ یہاں صرف سلسلہ وار شیہ کے پیغامِ محبت کا تذکرہ مقصود ہے۔ سلسلہ وار شیہ میں سب سے پہلے اس پیغام کو عام کیا گیا۔ کیونکہ اگر محبت نہیں تو عبادات نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فرمایا گیا:

”میرا پیغامِ محبت ہے۔ جہاں تک بھی پہنچ۔“

تو آئیے! اس پیغام کو عام کیجیے اور صرف لفظوں کی حد تک نہیں بلکہ عملی طور پر لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کریں۔ زبان میں مٹھاس اور دل میں ایثار و اخوت ہو۔ پھر اس مشعل کی روشنی میں زندگی بسر کیجیے۔ جب ہم یہ رویہ کسے کے ساتھ شروع کریں گے تو وہ وقت دور نہیں کہ جلد ہمارے ساتھ بھی یہ کچھ ہو گا اور یقین جانیے کہ زندگی خوبصورت ہو جائے گی۔ دل صاف ہو تو عمل میں نکھار آجائے گا۔ بقول ڈاکٹر محمد علامہ اقبال:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ امین



# وہ اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے

# اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے

(سورہ آل عمران: 74)



## خصوصی گزارش

تمام احباب کو مطلع کیا جاتا ہے کہ تصوف اسلام اور سلسلہ وارثیہ کے متعلق ایک جامع انسائیکلو پیڈیا "معارف وارثیہ" مرتب کرنے کیلئے تحقیق و تحریر کا کام بحمد اللہ تعالیٰ جاری ہے۔ یہ ایک انہائی اہم اور مشکل کام ہے۔ جو یقیناً کسی فرد واحد کے بس کاروگ نہیں بلکہ ایک ٹیم ورک ہے۔ لہذا اس کام کو بفضل خدا بخیر و خوبی جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے تمام احباب کی خدمت میں بصدادب و احترام ہر طرح کے مکمل تعاون کی گزارش کی جاتی ہے۔

اس انسائیکلو پیڈیا کے مرتب کرنے کیلئے سرکار سیدنا حاجی وارث علی شاہ، حضرت حافظ امکل شاہ وارثی<sup>ؒ</sup>، الحاج فقیر عزت شاہ وارثی<sup>ؒ</sup>، دیگر فقراء اور مشاہیر سلسلہ وارثیہ کے متعلق ہر قسم کی شائع شدہ کتابوں، غیر شائع شدہ تحریروں (محفوظات / قلمی کتابیں) وارثی فقراء اور وارثی مشاہیر کی تصنیف، اُن کے خطابات، گفتگو، انٹرویو، اعراس اور دیگر اجتماعات (تقریبات) کی آڈیو، ویڈیو کیسٹوں، سی ڈیز، ڈی وی ڈی، سلسلہ وارثیہ کے زیر اہتمام کام کرنے والے اداروں، مساجد، مدارس اور انجمنوں کے متعلق جامع روپورٹس، مختلف لوگوں کی سرکار وارث پاک<sup>ؒ</sup> اور دیگر فقراء سے واپسی کے متعلق حالات و واقعات، مشاہدات اور تاثرات، خطوط، تصاویر، اخبارات، رسائل اور مستند زبانی معلومات کی اشد ضرورت ہے۔

سلسلہ وارثیہ کی تاریخ، تعلیمات اور تبرکات کو آنے والی نسلوں کیلئے محفوظ کرنے کا فریضہ تمام وارثی احباب پر عائد ہوتا ہے۔ لہذا براہ کرم ایسی تمام دستاویزات اصل یا نقل کسی بھی حالت میں راقم السطور کو مہیا فرمائے و منون فرمائیں۔

اللہ کریم اس عظیم کام میں حصہ لینے والوں کو اجر عظیم سے نوازے۔ آمین ثم آمین بحق سید المرسلین ﷺ

خاک در حبیب ﷺ

فقیر مراد شاہ وارثی (راشد عزیز وارثی)

آستانہ عالیہ وارثیہ چھپر شریف، ضلع گوجرانوالہ (پاکستان)

E-Mail: rawarsi707@gmail.com

Mobile: 0346-5849707--0333-5842707